سوانح عمری اور کارنامے حضرت عمر فاروقؓ

الفاروق

www.IslamicBooksLibrary.wordpress.com

مؤلفہ
شمس العلماء
مولانا شبلی نعمانی

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

مضمون	صفحہ نمبر
تمہید	۲۲
تاریخ کا عنصر ہر قوم میں موجود ہوتا ہے	۲۲
عرب کی خصوصیت	۲۳
عرب میں تاریخ کی ابتداء	۲۳
سیرت نبوی میں سب سے پہلی تصنیف	۲۴
قدیم تاریخیں	۲۵
قدماء کی جو تصنیفات آج موجود ہیں	″
متأخرین کا دور	۲۷
متأخرین نے قدماء کی خصوصیتیں چھوڑ دیں	″
تاریخ کی تعریف	۲۸
تاریخ کے لئے کیا چیزیں لازم ہیں؟	۲۹
قدیم تاریخوں کے نقص اور اس کے اسباب	″
واقعات کی صحت کا معیار	۳۰
روایت	″
درایت	۳۱
الفاروق میں قدیم تاریخوں کی کمی کس طرح پوری کی گئی	۳۲
درایت کے اصول جن سے الفاروق میں کام لیا گیا	۳۲
اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے	۳۳
اصول روایت کے موجب واقعات کی	

مضمون	صفحہ نمبر
صحت کے مراتب	
تاریخ کا طرز	
تاریخ اور انشاء پردازی کا فرق	
یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز	
ترتیب کے متعلق چند امور قابل لحاظ	۳۶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام و نسب

مضمون	صفحہ نمبر
سن رشد و تربیت	۳۸
حضرت عمرؓ کے جد امجد اور ان کو جو مرتبہ حاصل تھا	۳۹
حضرت عمرؓ کے برادر عم زاد زید	″
حضرت عمرؓ کے والد خطاب	۴۰
حضرت عمرؓ کی ولادت	۴۱
سن رشد	″
نسب دانی کی تعلیم	۴۲
فن پہلوانی کی تعلیم	″
شہسواری کی تعلیم اور مقرر ہونا	″
لکھنے کی تعلیم	۴۳
فکر معاش	″
تجارت کے لئے سفر	″

مضمون	صفحہ نمبر
قبول اسلام — ہجرت	۴۵
حضرت عمرؓ کی ہجرت	۴۷
حضرت عمرؓ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی	۴۸
حضرت عمرؓ نے کہاں قیام کیا؟	″
مہاجرین اور انصار میں اخوت	″
حضرت عمرؓ کے اسلامی بھائی	″
اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا	۴۹
سن ۲ ہجری (۶۲۳ء) تا وفات رسول اللہ ﷺ	۵۰
غزوۂ بدر	۵۱
قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے	۵۳
غزوۂ سویق	۵۶
غزوۂ احد سن ۳ ہجری	″
حضرت عمرؓ کے واقعہ میں ثبات قدم رہنے کی کوشش	۵۷
حضرت حفصہؓ کا عقد حضرت رسول اللہؐ کے ساتھ	۵۸
واقعۂ بنو نضیر سن ۴ ہجری (۶۲۵ء)	″
جنگ خندق یا احزاب سن ۵ ہجری (۶۲۷ء)	۵۹

مضمون	صفحہ نمبر
واقعۂ حدیبیہ سن ۶ ہجری (۶۲۸ء)	۶۰
حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا	۶۲
جنگ خیبر سن ۷ ہجری (۶۲۹ء)	″
غزوۂ حنین	۶۵
قرطاس کا واقعہ	۶۷
سقیفۂ بنی ساعدہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف	۷۱
سقیفۂ بنی ساعدہ کے متعلق جو غلطی پھیل گئی ہے اس کی مفصل بحث	۷۳
خلافت اور فتوحات	۷۸
عراق و شام پر اسلامی حملے کے اسباب	
فتوحات عراق	۸۱
عراق پر لشکر کشی	
واقعۂ جسر اور مسلمانوں کی شکست	
واقعۂ بویب رمضان سن ۱۳ ہجری (۶۳۵ء)	۸۳
یزدگرد کی تخت نشینی اور ایرانیوں کی تی	

مضمون — صفحہ نمبر

تیاریاں
حضرت عمرؓ کا خود سپہ سالار بن کر مدینہ سے نکلنا
سعدؓ وقاص کی سپہ سالاری
فوج کی ترتیب اور ایک ایک حصہ فوج کے افسر
حضرت عمرؓ کی ہدایتیں
تبلیغ اسلام کے لئے سفیران عرب کا انتخاب
یزدگرد کے ساتھ سفرائے اسلام کا سوال و جواب
ربعیؓ کا سفیر بن کر رستم کے پاس جانا
مغیرہ کی سفارت
قادسیہ کی جنگ اور فتح محرم سن ۱۴ ہجری (۶۳۵ء) ۹۷
فوج کی ترتیب
فوج کے جوش دلانے کے لئے قصائد
عمرو کی آتش بیانی
ابو محجن ثقفی کا ایک پرجوش واقعہ
ایک عورت کا اپنے بیٹوں کو اپنی پرزور تقریر سے جوش دلانا
اخیر معرکہ
رستم کا مارا جانا
فردوسی کی غلط بیانی کا اظہار

مضمون — صفحہ نمبر

سعدؓ وقاص پر لوگوں کا طعن
اشتیاق فتح میں حضرت عمرؓ کی بیتابی
بابل کی فتح
مدائن کی فتح
اسلامی فوج کی عجیب و غریب بہادری سے دریا عبور کرنا
ایوان کسریٰ کی تصویروں کا قائم رکھنا
خزانہ نوشیرواں کی عجیب و غریب یادگاریں
جلولا سن ۱۶ ہجری (۶۳۷ء) ۱۱۰
فتوحات شام ۱۱۲
شام کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات
فتح دمشق ۱۱۳
حضرت خالدؓ کا عجیب و غریب بہادری سے شہر پر چڑھنا
فحل ذو قعدہ سن ۱۴ ہجری (۶۳۵ء) ۱۱۴
حضرت معاذ بن جبلؓ کی سفارت
حمص سن ۱۴ ہجری (۶۳۵ء) ۱۱۸

مضمون	صفحہ نمبر
حماۃ و قیسوی کی فتح	
حضرت عمرؓ کے سفر کی سادگی	
حضرت عمرؓ کا بیت المقدس میں داخلہ	
حضرت بلالؓ کا نماز کے وقت اذان دینا	
مفتوحوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کا برتاؤ	
یرموک ۵ رجب ۱۵ ہجری (۶۳۶ء)	۱۱۹
ذمیوں کے ساتھ مراعات کی ایک عجیب مثال	
جزیہ کے متعلق نہایت تعجب خیز واقعہ	
ایک عیسائی قاصد کا مسلمان ہونا	
خالدؓ کا سفیر بن کر آنا	
خالدؓ کی تقریر	
حضرت خالدؓ کا نئے قاعدے سے فوج لڑانا	
خطیبوں کا فوج کو جوش دلانا	
عورتوں کا لڑنا	
عیسائیوں کا حملہ	
معاذ بن جبلؓ و قیسوی کی عجیب ثابت قدمی	
خالدؓ اور عکرمہؓ کا حملہ	
مسلمان افسروں کی دلیری اور ثابت قدمی	
ایک عجیب واقعہ	
عیسائیوں کی شکست اور ان کے مقتولوں کی تعداد	
قیصر کا قسطنطنیہ کو جانا	

مضمون	صفحہ نمبر
حلب کی فتح	
انطاکیہ و قیسوی کی فتح	
بیت المقدس ۱۶ ہجری (۶۳۷ء)	۱۲۹
حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کو روانہ ہونا	
حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش ۱۷ ہجری (۶۳۸ء)	۱۳۴
عیسائیوں کی طرف سے حملہ آوری	
حضرت عمرؓ کا ہر طرف سے فوجوں کو بھیجنا	
حضرت عمرؓ کا خود دمشق کو روانہ ہونا	
عیسائیوں کی شکست	
حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا معزول ہونا	۱۳۶
حضرت خالدؓ کی معزولی کے متعلق تمام مؤرخوں کی غلطی	
معزولی کے اسباب	
معزولی کی پراثر کیفیت	
حضرت عمرؓ کا یہ مشتہر کرنا کہ خالدؓ کی معزولی	

مضمون	صفحہ نمبر
خیانت کی وجہ سے بر طرفی	
عمواس کی وباء سن ۱۸ ہجری (۶۳۹ء)	۱۳۸
حضرت عمرؓ کا شام کی طرف روانہ ہونا	
حضرت ابو عبیدہؓ کا حضرت عمرؓ پر [illegible] معترض ہونا	
معاذ بن جبلؓ کی وفات	
عمرو بن العاص کا حسن تدبیر	
لاذقیہ کی فتح کی ایک عجیب و غریب تدبیر	
حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام کر کے شام روانہ ہونا	
سفر کی سادگی	
مناسب انتظامات	
قیساریہ کی فتح شوال سن ۱۹ ہجری (۶۴۰ء)	۱۴۰
جزیرہ سن ۱۸ ہجری (۶۳۷ء)	۱۴۱
تکریت کی فتح	
جزیرے کے اور مقامات کی فتح	
خوزستان	۱۴۲

مضمون	صفحہ نمبر
اہواز کی فتح	
جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے حضرت عمرؓ کے حکم سے ان کا رہا ہونا	
ہرمزان کی تیاریاں	
ہرمزان کا امن طلب کرنا	
ہرمزان کا شان و شوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہونا اور اہل عرب کی حیرت	
ہرمزان کا اسلام لانا	
عراق عجم سن ۲۱ ہجری (۶۴۲ء)	۱۴۴
یزدگرد کا نئے سرے سے مسلمانوں پر حملہ کے لئے فوجوں کا فراہم کرنا	
ڈیڑھ لاکھ فوجوں کا فراہم کرنا	
حضرت عمرؓ کا اس مہم میں تمام صحابہ سے مشورہ کرنا	
حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کی رائے پر عمل کرنا اور تیس ہزار فوج روانہ کرنا	
مغیرہؓ سفیر بن کر جانا	
جنگ کی تیاریاں	
ضبط و استقلال کی عجیب مثال	
عجم کی شکست	
ایران پر عام لشکر کشی سن ۲۱ ہجری (۶۴۲ء)	۱۵۰

مضمون	صفحہ نمبر
حضرت عمرؓ خود حملہ کرنا نہیں چاہتے تھے	
لشکر کشی کی وجہ	
اصفہان کی فتح	
ہمدان وغیرہ کی فتح	
آذربائیجان ۲۲ھ ہجری (۶۴۳ء)	۱۵۲
طبرستان ۲۲ھ ہجری (۶۴۳ء)	۱۵۳
آرمینیہ فارس ۲۳ھ ہجری (۶۴۳ء)	۱۵۳ ۱۵۴
فارس پر حملہ کرنے کا اتفاقی سبب اصطخر	
فارس کا مفتوح ہونا	
کرمان ۲۳ھ ہجری (۶۴۳ء)	۱۵۶
سیستان ۲۳ھ ہجری (۶۴۳ء)	〃
معاہدے کی پابندی کی ایک عجیب مثال	
مکران ۲۳ھ ہجری (۶۴۳ء)	۱۵۷
خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۲۲ھ ہجری (۶۴۳ء)	〃
یزدگرد کا خاقان چین سے مدد طلب کرنا	
خاقان چین کی مدد سے یزدگرد کا مسلمانوں کے خلاف معرکہ	
یزدگرد کی ہزیمت	
مصر کی فتح ۲۰ھ ہجری (۶۴۰ء)	۱۶۰
فسطاط کا محاصرہ	
حضرت زبیرؓ کی جانبازی اور فسطاط کی فتح	
عمرو بن العاصؓ اور عیسائیوں کی باہمی [illegible]	
اسکندریہ کی فتح ۲۱ھ ہجری (۶۴۱-۶۴۲ء)	۱۶۲
قبطیوں کا مسلمانوں کو مدد دینا	
اسلامی فوج کا قلعہ میں گھسنا	
عمرو بن العاصؓ کا مقید ہونا اور حکمت عملی سے بچ کر نکل آنا	
عبادہ بن صامتؓ کا سب سامان کر حملہ کرنا	
قاصد کا حضرت عمرؓ کے پاس پیغام فتح لے کر جانا	
حضرت عمرؓ کا اسیران جنگ کو اختیار دینا کہ جس مذہب کو چاہیں قبول کریں	
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ ہجری	۱۶۶

مضمون	صفحہ نمبر
(۶۴۴ء)	
(کل مدت خلافت دس برس ۶ مہینے ۴ دن)	
حضرت عمرؓ کا حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کیے جائیں	
خلافت کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کا تردد اور اس کا سبب	
خلافت کے معاملے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گفتگو	
حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو سب سے بڑھ کر مستحق خلافت سمجھنا	
حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت وصیتیں	
خلیفہ کو سب والوں کے ساتھ ہمدردی	
حضرت عمرؓ کے قرضہ کا بندوبست	

★★★★★★★★

فہرست مضامین
الفاروق حصہ دوم

مضمون	صفحہ نمبر
فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ	۱۷۰
فتوحات فاروقی کی وسعت	״
فتح کے اسباب یورپین مورخین کی رائے کے موافق	۱۷۱
یورپین مورخین کی رائے کی غلطی	״
فتوحات کے اصلی اسباب	۱۷۳
سکندر و چنگیز کی فتوحات کا موازنہ	۱۷۴
فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص	۱۷۶
نظام حکومت	۱۷۸
حضرت عمرؓ کی حکومت شخصی تھی یا جمہوری؟	״
جمہوری اور شخصی حکومت کا موازنہ	״
عرب و فارس میں جمہوری حکومت نہ تھی	
حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کانسل)	۱۸۰
مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ	״
مجلس شوریٰ کے جلسے	״
ایک اور مجلس	۱۸۱
حکومت میں رعایا کی مداخلت	۱۸۲
خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا	۱۸۳
حضرت عمرؓ کا ملکی انتظامات کے لیے الگ	

مضمون	صفحہ نمبر
الگ صیغے قائم کیا	
ملک کی تقسیم صوبجات اور اضلاع عہدہ داران ملکی	۱۸۵
حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے	״
نوشیروانی عہد کے صوبے	״
صوبوں کے افسر	۱۸۷
عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی	۱۸۸
عہدہ داروں کے مقرر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ	۱۸۹
تنخواہ کا مسئلہ	۱۹۰
عاملوں کے فرامین میں ان کے فرائض	״
عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا	۱۹۱
عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست	״
زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی	۱۹۲
عاملوں کی تنبیہ	
عاملوں کی تحقیقات	۱۹۳
کمیشن	۱۹۴
عاملوں کے ناجائز افعال پر نہایت سختی کے ساتھ گرفت	۱۹۵
عاملوں کی تنخواہوں کا بیش قرار ہونا	״
عاملان فاروقی کی فہرست	۱۹۶
صیغۂ محاصل (خراج)	۱۹۸
خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا	״
ممالک مفتوحہ کا اصلی باشندوں کے قبضہ میں چھوڑنا اور اس امر میں صحابہؓ کا اختلاف	۱۹۹
حضرت عمرؓ کا استدلال	״
عراق کا بندوبست	۲۰۰
الفرات کا بندوبست	״
عراق کا کل رقبہ	״
لگان کی شرح	۲۰۱
عراق کا خراج	״
زمیندار اور تعلقہ دار	۲۰۲
پیداوار اور آمدنی میں ترقی	״
ہر سال مال گذاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا	״
حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جس قدر خراج وصول ہوا زمانہ مابعد میں کبھی نہیں ہوا	۲۰۳
خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا	״
مصر میں فرعون کے زمانہ کے قواعد مال گذاری	״
ندیوں کا حساب	۲۰۴
حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی	״
شام میں خراج کا قدیم طریقہ	۲۰۶
قانون مال گذاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات	۲۰۷

مضمون	صفحہ نمبر
ان اصلاحات کا قلیل اثر	
بندوبست مالگذاری میں ذمیوں کی رائے لینا	۲۰۹
ترقی زراعت	؍؍
محکمۂ آبپاشی	۲۱۰
خراجی اور عشری زمین کی تفریق	؍؍
مسلمانوں کے ساتھ عشری زمین کی تخصیص کی وجہ	۲۱۱
اور قسم کی آمدنیاں	؍؍
گھوڑوں پر زکوٰۃ	؍؍
عشور	۲۱۲
صیغۂ عدالت	۲۱۳
محکمۂ قضاء	؍؍
روم و اسپارٹا کے قواعد عدالت کا حضرت عمرؓ کے قواعد سے موازنہ	؍؍
قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر	۲۱۴
قضاۃ کا انتخاب	۲۱۶
حضرت عمرؓ کے زمانہ کے حکام عدالت	۲۱۷
قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا	؍؍
رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل	۲۱۸
انصاف میں مساوات	؍؍
آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا	۲۱۹
ماہرین فن کی شہادت	
عدالت کا مکان	۲۲۰

مضمون	صفحہ نمبر
محکمۂ افتاء	۲۲۰
محکمۂ افتاء کی ضرورت	۲۲۱
حضرت عمرؓ کے زمانہ کے مفتی	
ہر شخص کو فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا	
فوجداری اور پولیس	۲۲۲
جیل خانہ کی ایجاد	؍؍
جلاوطنی کی سزا	۲۲۳
بیت المال یا خزانہ	
بیت المال پہلے نہ تھا	؍؍
بیت المال کس سن میں قائم ہوا؟	؍؍
بیت المال کے افسر	۲۲۴
بیت المال کی عمارتیں	
جو رقم دارالخلافہ کے خزانہ میں رہتی تھی	۲۲۵
پبلک ورکس یا (نظارت نافعہ)	۲۲۶
حضرت عمرؓ نے نہریں تیار کرائیں	؍؍
نہر معقل	۲۲۷
نہر سعد	؍؍
نہر امیر المومنین	؍؍

مضمون	صفحہ نمبر
نہر سویز کی تیاری کا ارادہ	۲۲۸
حضرت عمرؓ کے عہد میں مختلف صیغوں کی عمارتیں	۲۲۸
دار الامارۃ	؍؍
دفتر	؍؍
خزانہ	۲۲۹
قید خانے	؍؍
مہمان خانے	؍؍
سڑکوں کا انتظام	؍؍
مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں	۲۳۰
شہروں کا آباد کرنا	؍؍
بصرہ	۲۳۱
کوفہ	؍؍
فسطاط	۲۳۴
فسطاط کی وسعت آبادی	؍؍
موصل	۲۳۵
جیزہ	؍؍
صیغۂ فوج	۲۳۷
قدیم سلطنتوں کے فوجی انتظامات غیر مکمل	؍؍
حضرت عمرؓ کے فوجی انتظام کی ابتداء	۲۳۸
فوج کے رجسٹر کا مرتب ہونا	۲۳۹

مضمون	صفحہ نمبر
باقاعدہ فوج اور والنٹیر	۲۴۱
فوجی صدر مقامات	؍؍
صدر مقامات میں فوج کے لئے جو انتظامات تھے ان کی تفصیل	۲۴۲
فوجی بارکیں	؍؍
گھوڑوں کی پرداخت	؍؍
فوج کا دفتر	؍؍
رسد کا محکمہ	؍؍
فوجی چھاؤنیوں کا قائم کرنا اور ان کا بندوبست	؍؍
فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں	۲۴۵
فوجی دفتر کی وسعت	۲۴۶
ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی	؍؍
حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام کس زمانہ تک قائم رہا اور اس کے تغیر کے نتائج	؍؍
فوج میں عجمی، رومی، ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے	۲۴۷
تنخواہوں میں ترقی	۲۴۸
رسد کا انتظام	۲۴۹
رسد کا مستقل محکمہ	؍؍
خوراک، کپڑا اور بھتہ	؍؍
تنخواہوں کی تقسیم کا طریقہ	۲۵۰
تنخواہوں کی ترقی	؍؍
اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم	۲۵۱
بہار کے زمانے میں فوج کا قیام	؍؍
آب و ہوا کا لحاظ	؍؍
امن کی حالت میں فوج سے آرام کا وقت	۲۵۲

مضمون	صفحہ نمبر
رخصت کے قاعدے	۲۵۲
فوج کا لباس	″
فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم	۲۵۳
فن جنگ میں ترقی	″
فوج کے مختلف حصے	۲۵۴
ہر سپاہی کو جو چیزیں ہمیشہ ساتھ رکھنی پڑتی تھیں	″
قلعہ شکن آلات	″
سفر مینا	۲۵۵
خبر رسانی اور جاسوسی	۲۵۶
پرچہ نویسوں کا انتظام	″
صیغۂ تعلیم اور صیغۂ مذہبی	۲۵۷
اشاعت اسلام کا طریقہ	۲۵۸
اشاعت اسلام کے اسباب	۲۵۹
حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے	۲۶۰
حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوشش کی	۲۶۲
قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ	
اعراب کی تدبیریں	۲۶۳
قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام مکاتب قرآن	۲۶۴
بدوؤں کو جبری تعلیم	″
کتابت کی تعلیم	″
قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کیلئے دور دراز مقامات پر بھیجنا	

مضمون	صفحہ نمبر
تعلیم قرآن کا طریقہ	۲۶۵
دمشق کی مسجد میں طلبہ کی تعداد	۲۶۶
اشاعت قرآن کے اور وسائل	″
حافظوں کی تعداد	″
صحت اعراب کی تدبیریں	″
ادب اور عربیت کی تعلیم	۲۶۷
حدیث کی تعلیم	″
فقہ	″
مسائل فقہ کی اشاعت کی مختلف تدبیریں	۲۶۸
پہلی تدبیر	
دوسری تدبیر	
تیسری تدبیر	
چوتھی تدبیر	
فقہ کی تعلیم کا انتظام	۲۷۰
فقہاء کی تنخواہیں	۲۷۱
معلمین فقہ کی رفعت شان	″
ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا	″
اماموں اور مؤذنوں کا تقرر	۲۷۲
حاجیوں کی قافلہ سالاری	″
مساجد کی تعمیر	۲۷۳
حرم محترم کی توسیع	″
حرم کی تجدید	″
مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت	۲۷۴
مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام	″
متفرق انتظامات	۲۷۵

مضمون	صفحہ نمبر
سن ہجری کا مقرر کرنا	۲۷۵
مختلف قسم کے رجسٹر	۲۷۶
دفتر خراج	۲۷۷
بیت المال کے کاغذات کا حساب	"
مصارف جنگ کے کاغذات	۲۷۷
مردم شماری کے کاغذات	"
کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ	"
سکہ	۲۷۸
ذمی رعایا کے حقوق	۲۷۹
قدیم سلطنتوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ	"
حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟	"
بیت المقدس کا معاہدہ	"
ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر قرار دینا	۲۸۱
بندوبست مال گذاری میں ذمیوں کا خیال	۲۸۲
ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ	"
ذمیوں کے ساتھ ہر قسم کی رعایت کی تاکید	۲۸۳
مذہبی امور کی آزادی	۲۸۴
مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری	۲۸۵
ذمیوں کی عزت کا خیال	۲۸۶
سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک	"
ذمیوں پر ان رعایتوں کا کیا اثر ہوا	۲۸۸
ذمیوں کے حقوق کی نسبت غیر قوموں کی غلط فہمیوں کے وجوہ اور ان کا جواب	۲۸۸
	"
ذمیوں کو خاص لباس اور زنار کے استعمال کا کیوں حکم تھا	۲۸۹
صلیب اور ناقوس کی بحث	۲۹۰
اصطباغ کی بحث	
عیسائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ	۲۹۲
جزیہ کی بحث	"
غلامی کا رواج کم کرنا	۲۹۵
عرب کا غلام نہ ہو سکنا	"
ممالک مفتوحہ میں غلام کو کمانا؟	"
حضرت شہربانو کا قصہ	
شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ	۲۹۸
عام غلاموں کے ساتھ مراعات	۲۹۸
غلاموں کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا	۲۹۹
غلاموں میں اہل کمال کا پیدا ہونا	"
سیاست و تدبیر، عدل و انصاف	۳۰۰
عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریق سیاست میں فرق	"
حضرت عمرؓ کی مشکلات	۳۰۱

مضمون	صفحہ نمبر
حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں	۳۰۳
اصول مساوات	۳۰۵
امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا؟	۳۰۶
سیاست	۳۰۷
عہدہ داران سلطنت کا انتخاب	۳۱۰
بے لاگ عدل و انصاف	〃
قدیم سلطنتوں کے حالات اور انتظامات سے واقفیت	۳۱۱
واقفیت کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار	۳۱۲
بیت المال کا خیال	۳۱۳
تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا	۳۱۶
رفاہ عام کے کام	〃
غرباء اور مساکین کے روزینے	۳۱۷
مہمان خانے	〃
لاوارث بچے	۳۱۸
یتیموں کی خبر گیری	〃
قحط کا انتظام	〃
رفاہ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی	۳۱۹
جزئیات پر توجہ	۳۲۰
رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل	〃
سفارت	۳۲۱
شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری	〃
رعایا کی خبر گیری کے متعلق حضرت عمرؓ کی چند حکایتیں	۳۲۲

مضمون	صفحہ نمبر
امامت اور اجتہاد	۳۲۳
مسائل اعتقادی میں حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی	۳۲۴
مسئلہ قضا و قدر	۳۲۵
تعظیم شعائر اللہ	۳۲۶
نبیؐ کے اقوال و افعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں	〃
حضرت عمرؓ کے نزدیک احکام شریعت کا مصالح عقلی پر مبنی ہونا	۳۲۷
حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی	۳۲۷
اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا	۳۲۹
نمود و فخر کا استیصال	〃
ہجو کی ممانعت	〃
ہوا پرستی کی روک	۳۳۱
شاعری کی اصلاح	〃
شراب خوری کی روک	〃
آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا	〃
حضرت عمرؓ کی اجتہادی حیثیت	۳۳۳
احادیث کا تفحص	〃
حدیثوں کی اشاعت	۳۳۴
ایک دقیق بحث	〃
احادیث میں فرق مراتب	۳۳۵
روایات کی چھان بین	〃
کثرت روایت سے روکنا	۳۳۸
حضرت عمرؓ کے کم روایت کرنے کی وجہ	۳۴۰
صحابہ میں بہت لوگ کم روایت کرتے تھے	۳۴۱

مضمون	صفحہ نمبر
سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ کے	۳۴۰
اصول	۳۴۲
علم فقہ	״
فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ ہیں	״
حضرت عمرؓ کا مشکل مسائل کو قلمبند کرنا	۳۴۶
دقیق مسائل میں وقتاً فوقتاً غور کرتے رہنا	۳۴۶
فتوحات کی وسعت کی وجہ سے مسئلوں کا پیدا ہونا	۳۴۷
لوگوں کا حضرت عمرؓ سے استفتاء کرنا	״
صحابہؓ کے مشورے سے مسائل طے کرنا	۳۴۸
مسائل اجماعیہ	״
حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد	۳۴۹
حضرت عمرؓ کا اصول فقہ کو مرتب کرنا	״
خبر آحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث	۳۵۲
قیاس	۳۵۳
استنباط احکام کے اصول	۳۵۵
مسائل فقہ میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات	۳۵۶
خمس کا مسئلہ	۳۵۷
متعہ کا مسئلہ	۳۶۱
باغ فدک کی بحث	۳۶۲
ذاتی حالات اور اخلاق و عادات	۳۶۶
عرب میں جو اوصاف لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے حضرت عمرؓ میں سب موجود تھے	״

مضمون	صفحہ نمبر
قوت تقریر	۳۶۹
خطابت	״
خطبہ کے لئے تیار رہنا	۳۷۱
نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے اور اس کی وجہ	״
بعض خطبوں کے اصلی الفاظ	
قوت تحریر	۳۷۳
مذاق شاعری	۳۷۴
حضرت عمرؓ زہیر کو اشعر الشعراء کہتے تھے	״
زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا ریمارک	۳۷۵
نابغہ کی تعریف	۳۷۶
امرء القیس کی نسبت ان کی رائے	״
شعر کا تعلق	۳۷۷
حفظ اشعار	״
اشعار کو تعلیم میں داخل کرنا	״
شاعری کی اصلاح	۳۷۸
لطیفہ	۳۷۸
علم الانساب	۳۷۹
عبرانی زبان سے واقفیت	״
ذہانت و طباعی	۳۸۰
[illegible] مقولے	۳۸۱
صائب الرائے ہونا	۳۸۲
مسائل کے احکام جو حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قرار پائے	۳۸۳
جن مسائل میں اور صحابہؓ نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا ان میں حضرت عمرؓ کی	۳۸۴

مضمون	صفحہ نمبر
رائے صائب ہونا	
حالت مخالفت میں حضرت عمرؓ کی رائے	۳۸۳
نکتہ سنجی اور خورد بینی	״
مذہبی زندگی	۳۸۵
بے تعصبی	۳۸۶
علم نزانفس کی درستی اور ترتیب کے لئے	
ایک بوڑھی عیسائی کا طلب کرنا	۳۸۷
علمی صحبتیں	۳۸۸
ارباب صحبت	۳۸۹
اہل کمال کی قدردانی	۳۹۱
متعلقین خاندان رسول صلعم کا پاس و لحاظ	۳۹۲
اخلاق و عادات تواضع و سادگی	۳۹۴
زندہ دلی	۳۹۶
مزاج کی سختی	۳۹۷
بیبی و اولاد کے ساتھ محبت	۳۹۸
مسکن و سامان معاش تجارت	۳۹۹
بعہد امارت مشاہرہ و زراعت تھا	״
لباس، مکان اور بے تکلفی	۴۰۰
حلیہ اور کنیت	۴۰۱
ازواج و اولاد	۴۰۳
ازواج	״
حضرت ام کلثومؓ سے نکاح کرنا	״
اولاد ذکور	۴۰۶
عبداللہ بن عمرؓ	״
سالم بن عبداللہ	״
عاصمؓ	۴۰۷
خاتمہ	۴۰۸
دنیا میں جس قدر مشہور فرمانروا اور ارباب کمال گزرے ہیں سب پر حضرت عمرؓ کو ترجیح	

* * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الفاروق جس کا غلغلہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے، اول اول اس کا نام زبانوں پر اس تقریب سے آیا کہ المامون طبع اول کے دیباچہ میں ضمناً اس کا ذکر آ گیا تھا۔ اس کے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم نام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے ابتدائی اجزاء ابھی تیار نہیں ہو چکے تھے کہ تمام ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک الفاروق کا لفظ بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ ادھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رک گیا۔ اور اس کے بجائے دوسرے کام چھڑ گئے۔ چنانچہ اس اثناء میں متعدد تصنیفیں مصنف کے قلم سے نکلیں اور شائع ہوئیں۔ لیکن جو نگاہیں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوکبۂ جلال کا انتظار کر رہی تھیں ان کو کسی دوسرے جلوے سے سیری نہیں ہو سکتی تھی۔ سوء اتفاق یہ کہ میرے ساتھ الفاروق کی طرف سے بیدلی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف سے گویا ہاتھ اٹھا لیا تھا لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدائیں اس زور سے بلند ہوتی تھیں کہ میں مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھ کر اٹھا لیتا تھا۔ بالآخر ۱۸ اگست ۱۸۹۶ء کو میں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا۔ اور مستقل اور مسلسل طریقے سے اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض اور اتفاقی موانع وقتاً فوقتاً اب بھی سد راہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا ناغہ پیش آ گیا لیکن چونکہ کام کا سلسلہ قطعاً بند نہیں ہوا اس لئے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے کچھ دنوں کے لئے آرام کیا۔

شکر کہ جمازہ بمنزل رسید   زورق اندیشہ بساحل رسید

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے پہلے حصے میں تمہید کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ

۔ شبلی از مصنف

تعالیٰ عنہ کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور فتوحات ملکی کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں ان کے ملکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور یہی دوسرا حصہ مصنف کی سعی و محنت کا تماشاگاہ ہے۔

اس کتاب کی صحت طبع میں اگرچہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی۔ غلطیاں میں نے خود دیکھیں اور بنائیں۔ لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجھ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس وادی کا مرد میدان نہیں اور میں اس کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صاحب مطبع اجازت دیں تو اس قدر کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا میں تنہا مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ بہرحال کتاب کے آخر میں ایک غلط نامہ لگا دیا گیا ہے جو کفارۂ جرم کا کام دے سکتا ہے۔

اس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نظر آئے گا۔ مثلاً اضافت کی حالت میں "مکہ" اور "مدینہ" کی بجائے "مکے" اور "مدینے" اور جمع کی حالت میں "موقع" اور "مجمع" کے بجائے "موقعے" اور "مجمعے" لیکن یہ میرا طریق املا نہیں ہے بلکہ کاپی نویس صاحب کا ہے اور وہ اس کے برخلاف عمل کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہو سکے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلہ آصفیہ کی فہرست میں داخل ہے۔ لیکن پہلے سلسلہ آصفیہ کی ماہیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی جن کو تمام ہندوستان جانتا ہے۔ وہ جس طرح بہت بڑے مصنف، بہت بڑے مترجم، بہت بڑے زبان دان ہیں اسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعت علوم و فنون کے بہت بڑے مربی اور سرپرست ہیں۔ اسی جوہر وصف نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ انہوں نے جناب نواب محمد فضل الدین خان سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک سر وقار الامراء بہادر کے سی آئی ای مدار المہام دولت آصفیہ خلدہا اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ حضور پرنور رستم دوراں افلاطون زماں قطب بارگاہ سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ ہزہائینس نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ سلطان دکن خلد اللہ ملکہ کے سایۂ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے جو سلسلہ آصفیہ کے لقب سے ملقب ہو اور وابستگان دولت آصفیہ کی جو تصنیفات خلعت قبول پائیں وہ اس سلسلہ میں داخل ہو جائیں۔

جناب نواب صاحب ممدوح کو علوم و فنون کی ترقی و اشاعت کی طرف جو توجہ ہے جو

التفات و توجہ رہتی ہے اور جس کی بہت سی محسوس یادگاریں اس وقت موجود ہیں اس کے لحاظ سے جناب ممدوح نے اس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے اور ۹۲ء سے شمس العلماء کی کتاب تمدن عرب جس کی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اسی سلک کا ایک بیش بہا گوہر ہے۔

خاکسار کو ۱۸۹۲ء میں جناب ممدوح کی پیشگاہ سے عطیہ ماہوار کی جو سند عطا ہوئی۔ اس میں یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اس سلسلے میں داخل کی جائیں۔

اس بنا پر یہ ناچیز تصنیف بھی اس مبارک سلسلے میں داخل ہے۔

جلد اول کے آخر میں اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر بنو امیہ کے زمانے تک ہر عہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے۔ جس کے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دنیا کا کس قدر حصہ اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل میں جرمن کے چند لائق پروفیسروں نے تیار کیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ ہماری کتب کے بیانات سے پورا پورا مطابق نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ہم نے اصل کتاب کے حاشیہ میں موقع بموقع ان اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شبلی نعمانی
مقام اعظم گڑھ ۱۵ دسمبر ۱۸۹۸ء

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نے ہمہ در پردہ نہاں راز تو   بے خبر انجام از آغاز تو

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

تمہید۔ تاریخ کا عنصر

تمدن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا ہیولیٰ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمدن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً استدلال اور اثبات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب ان سے کام لیتے تھے لیکن جب ارسطو نے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا۔ تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کا فن ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا، تاریخ و تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے۔ کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے تفریح اور گرمی صحبت کیلئے مجلسوں میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات و رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں۔ اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اس بنا پر عرب، عجم، تاتار، ہندی، افغانی، مصری، یونانی، غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔

عرب کی خصوصیت

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا۔ اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انساب کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤاجداد کے نام اور ان کے رشتے ناطے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام العرب جس کی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ بسلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں۔ یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدو جن کو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے اور درحقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

عرب میں تاریخ کی ابتداء

اس بناء پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہان حیرہ نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے۔ چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں تصریح کی ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا۔ اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتداء ہی سے پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ تالیف و تصنیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا۔ اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۶۰ ہجری کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا اور اس کو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو صنعاء سے بلایا اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک و اخبار الماضیین لکھا

سے تھا۔ یہ وہی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد عوانہ بن الحکم المتوفی ۱۴۷ھ ہجری کا نام ذکر کرنے کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ ۱۲۵ھ ہجری میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا۔ اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

سیرۃ نبوی ﷺ میں سب سے پہلی تصنیف

۱۴۳ھ ہجری میں جب تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ ہجری نے منصور عباسی کے لئے خاص سیرۃ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ عرب مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ ہجری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی قلمبند کئے تھے۔ موسیٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔ اس لئے ان کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ (مغازی موسیٰ بن عقبہ ۱۴۱ھ ہجری میں یورپ میں چھپ چکی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے [illegible] ترتیب [illegible] فتح الباری شرح صحیح بخاری [illegible])

اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے جن میں ابو مخنف، کلبی، واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے اقوام اسلام قریش کے پیچھے قبائل عرب کے مناظرات، جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توافق، ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔

اس دور میں بے شمار مؤرخ گزرے ہیں۔ ان میں سے جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات میں کتابیں لکھیں ان کی مختصر فہرست یہ ہے۔

---

* مغازی محمد بن اسحاق کا ایک قلمی نسخہ مولوی حبیب [illegible] ہے

قدیم تاریخیں

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
نجیح مدنی ۱؎	غزوات نبوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی لڑائی کا حال	
سیف بن عمر الاسدی ۲؎	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مؤرخ ہے
معمر بن راشد کوفی ۳؎	کتاب المغازی	امام بخاری کے استاذ الاستاذ تھے
ابو البختری وہب بن وہب	کتاب صفة النبیؐ و کتاب فضائل الانصار	۲۰۰ھ میں انتقال کیا
عبداللہ بن سعد زہری، المتوفی ۳۸۰ ہجری	فتوحات خالد بن ولیدؓ	
ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی المتوفی ۲۲۵ھ		اس نے آنحضرتؐ اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی، کتاب اسماء الخلفاء و کتابہم	مدائنی کا شاگرد تھا
عبدالرحمٰن بن عبدہ	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور معتبر مؤرخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ	کتاب امراء الکوفہ، کتاب امراء البصرة	مشہور مؤرخ تھا

قدماء کی جو تصنیفات آج موجود ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں، لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں، ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے، چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ ہجری المتوفی ۲۷۶ ہجری یہ نہایت نامور اور

۱؎ نجیح بن عبدالرحمٰن المتوفی قریب ۱۷۰ھ۔ ۲؎ سیف بن عمر کوفی تھے ہارون رشید کے زمانہ میں فوت ہوا (خلاصہ تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۷۱)۔ ۳؎ معمر بن راشد متوفی ۱۵۴ھ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۳)۔

مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اس کے فضل و اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب معارف ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۲ ہجری یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اس کی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں۔ خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیڈن ۱۸۸۸ عیسوی میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی المتوفی ۲۳۰ ہجری نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے، اگرچہ اس کا استاد واقدی ضعیف الروایہ ہے۔ لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں، اس نے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند صحیح لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمنی میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔[1]

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مورخ ہے۔ مجھ کو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے، چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اس لئے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے۔ اس کی کتاب جو "تاریخ یعقوبی" کے نام سے مشہور ہے، یورپ میں بمقام لیڈن ۱۸۸۳ عیسوی میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفی ۲۷۹ ہجری ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اس کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان و انساب الاشراف، پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں۔ اور ان کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں نظر سے گزرا ہے (یہ کتاب تین اجزا میں ۱۹۳۶ عیسوی میں یروشلم میں چھپ گئی ہے)

---

[1] طبقات ابن سعد دس جلدوں میں پہلے ۱۹۰۴ء میں لیڈن میں طبع ہوئی پھر اس کے بعد مصر میں بیروت سے بھی طبع ہوئی ہے

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ ہجری یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انہوں نے نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی ہے جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۴۶ ہجری فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اکثر تصانیف ناپید ہو گئیں، یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں، ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ، مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

متاخرین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدماء کا دور کہلاتا ہے، پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے، جو فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بیشمار مورخ گزرے جن میں سے ابن اثیر، سمعانی، ذہبی، ابو الفدا، نویری، سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی۔ لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔

قدماء کی خصوصیتیں

قدماء کی جو خصوصیات تھیں کھو دیں اور خود کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ مثلاً قدماء کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی۔ اور بغیر اس کے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکیں.. تغیر اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار التواریخ کہا ہے۔ اور حقیقت میں اس کی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں۔ زمانہ کا اشتراک ہے ایک بات بھی اس میں طبری سے زیادہ نہیں مل سکتی، اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا و ھلم جرا

۱؎ یہ کتاب المصری بغداد سے [illegible] میں شائع ہوئی۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدماء کی کتابوں کا جو اختصار کیا۔ اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اس کی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قدماء میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسند متصل نقل کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا۔ ایک اور خصوصیت قدماء میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے۔ لیکن ضمناً ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اس نے فلسفۂ تاریخ کا فن ایجاد کیا۔ اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مدح و ستائش کا مستحق ہے۔

بہر حال الفاروق کی تالیف کے لئے جو سرمایہ کام آ سکتا تھا وہ یہی قدماء کی تصنیفات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے جو آج ترقی کی ہے اس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کار آمد نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔

تاریخ کی تعریف

تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کئے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔ ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے ان حالات اور واقعات...... ...کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجے کے پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی چونکہ یہ مسلّم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت، خیالات اور مذاہب موجود ہیں، سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہیئے تھے۔ اس لئے ان گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا۔ اسی کا نام تاریخ ہے۔

تاریخ کے لئے کیا کیا چیزیں لازم ہیں

ان تعریفات کی بنا پر تاریخ کے لئے دو باتیں لازم ہیں۔

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلم بند کئے جائیں، یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخوں کے نقص اور ان کے اسباب

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، رعایا کے اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا، فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک محدود نہیں بلکہ ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا، ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں اس کا لازمی اثر یہ تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہیں آیا۔ اور چونکہ اس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی۔ اس لئے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے نتیجہ تھا۔

واقعات میں سلسلۂ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے۔ اس لئے فلسفۂ تاریخ کے اصول و نتائج پر ان کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر میں روایت کا پلہ ہمیشہ درایت سے بھاری رہا۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جس قدر کام لیا گیا نہ لئے جانے کے برابر تھا۔ آخر میں ابن خلدون نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول و آئین منضبط کئے، لیکن اس کو صرف اس قدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکتا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا۔ یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں ان کو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا

ہے۔ مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے، انتظامی امور قانون سے، اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مورخ اگر ان تمام امور کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ اس کی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہو گی جیسی کہ ایک عامی کی ہو سکتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشاء پرداز کا گزر ہو جو انجینئری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرایہ میں کرے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے، لیکن اگر اس میں خاص انجینئری کے علمی اصول اور اس کی باریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نہ مل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتدبہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔

انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مورخین خود قانون دان نہ تھے، اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ، اصول قانون، اصول سیاست اور علم اخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا۔

یہ بحث اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے اور جس قدر ہوتے ہیں ان میں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا، لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے، وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

واقعات کی صحت کا معیار

واقعات کے جانچنے کے دو طریقے ہیں۔

روایت و درایت۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا۔ اور اس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایہ اور ضابط تھے یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

روایت

اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انہوں نے جس

قدر اعتنا کیا کسی قوم نے بھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ ان کو ایک مستقل فن علاوہ جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لئے شروع ہوا تھا۔ لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری، "فتوح البلدان" طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات . مسند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مؤرخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ ان کو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے۔ چنانچہ ابن حزم، ابن القیم، خطابی، ابن عبدالبر[۱] نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہئے تھی نہیں ہوئی۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا۔ البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کئے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے

> **ان الاخبار اذا اعتمد فیها علی مجرد النقل لم تحکم اصول العادة و قواعد السیاسة وطبیعة العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی ولا قیس الغائب منها بالشاهد والحاضر بالذاهب فیها لم یؤمن فیها من العثور۔**
>
> "خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔"

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ

---

[۱] ابن عبدالبر قرطبی انتقال ۴۶۳ھ۔

اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کئے گئے ان کی آج کہاں تک تلافی ہو سکتی ہے۔ یعنی ہم اپنی کتاب (الفاروق) میں کس حد تک اس کو پورا کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ مثلاً الاحکام السلطانیہ لابن الوردی مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق حکومت اور آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع سے خاص صیغہ قضا کے متعلق ان کا طریق معلوم ہوتا ہے کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی الاخبار الاوائل میں ان کی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان والتبیین للجاحظ میں ان کے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدانی کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں ان کے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں ان کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ ان تصنیفات میں سے کتاب الاوائل اور کتاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔ سیرۃ العمرین، اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کر لی تھیں۔ باقی کتابیں چھپ گئی ہیں۔ اور میرے پاس موجود ہیں۔

یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ریاض النضرۃ للمحب طبری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں۔ اس لئے میں نے دانستہ اس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لئے درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے

منضبط ہو گئے ہیں۔ ان میں سے جو اصول ہمارے کام آ سکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

① واقعہ کو اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟
② اس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟
③ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟
④ اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اس کی قیاس و رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟
⑤ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا۔ اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آ سکیں۔
⑥ اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیے ہیں۔

ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور ان کے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جس قدر تاریخیں متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا اور اسی کے ساتھ قدیم زمانہ کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصب آتا گیا اسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔

اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے

تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں۔ لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج طبری وغیرہ) میں اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اس وقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو

اصطباغ نہ دینے پائیں۔ لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ "جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے"۔

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیر و تذلیل کے لئے عیسائیوں کو خاص لباس پر مجبور کیا تھا۔ لیکن زیادہ تر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عجمیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث آگے آئے گی۔

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں۔ فدک، قرطاس، سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر، ابن سعد، طبری، مسلم، بخاری سب نے نقل کئے ہیں۔ لیکن جس قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے۔ اسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اس کا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئے گا۔

ان ہی اصول عقلی کی بناء پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہوں گے مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے واقعات سو برس کے بعد تحریر میں آئے اس بناء پر یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً صف آرائی کی کیفیت فریقین کے سوال و جواب، ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی، پہلوانوں کے داؤ پیچ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے اس لئے ان کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں۔ اکبر نے ہندوستان میں جو آئین اور قاعدے جاری کئے ایک ایک بچہ ان سے واقف ہے اور ان کی نسبت شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اس کے لئے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے۔ اور اکبر کے نام سے ان کو شہرت تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبے اور حکمت آمیز فقرے جو منقول ہیں ان کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہئے کہ جو فقرے زیادہ تر پر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں۔ کیونکہ

ایک فصیح مقرر کے دو فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں، اور ان کا مدت تک چرچا رہتا ہے، جن میں کوئی خاص قدرت اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح خطبوں کے وہ جملے ضرور قابل اعتماد ہیں جن میں احکام شرعیہ کا بیان ہے کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے تھے۔

جو واقعات اس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابل ذکر نہ تھے اور بیان خود اس کے ان کا ذکر آجاتا ہے۔ ان کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہو گا۔ مثلاً ہمارے مورخین رزم بزم کی معرکہ آرائیوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے سے بالکل عاری ہیں یا ایں ہمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں عدالت، پولیس، بندوبست، مردم شماری وغیرہ کا ضمناً جو ذکر آجاتا ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہیے کہ جس قدر قلمبند ہوا اس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد و تقشف، سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سینکڑوں روایتیں مذکور ہیں۔ اور بے شبہ اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف ان میں زیادہ تھے لیکن اس کے متعلق تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیے۔ جو حلیۃ الاولیاء، ابن عساکر، کنز العمال، ریاض النضرۃ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گرمی محفل کا سبب ہوتی تھیں اور عوام ان کو نہایت ذوق سے سنتے تھے اس لئے خواہ مخواہ ان میں مبالغہ کا رنگ آ گیا ہے اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں ان میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں ان میں بڑی احتیاط کی ہے۔ اور ریاض النضرۃ و ابن عساکر و حلیۃ الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

اخیر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضروری ہے۔ آج کل کی اعلیٰ درجہ کی تاریخیں جنہوں نے قبول عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشاء پردازی سے مرتب ہیں۔ اور اس طرز سے بڑھ کر اور کوئی طرز مقبول عام نہیں ہو سکتا۔ لیکن در حقیقت تاریخ اور انشاء پردازی کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت صحت و ریزی کے ساتھ اس کی حیثیت، شکل، سمت، جہت، اطراف، اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اس کے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لے گا یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھائے گا جن سے

کوئی خاص بانکی ہے اور جس سے انسان کی قوت متخیلہ پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مورخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کی تمام جزئیات بیان کر دے گا۔ لیکن ایک انشاء پرداز ان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی و بے کسی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے سے نظر نہ آئیں۔

مورخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سارا واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ یورپ میں آجکل جو بڑا مورخ گذرا ہے اور جو طرز حال کا موجد ہے رینکی ہے اس کی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے۔

> "اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ کسی کا طرفدار رہا نہ مذہب اور قوم کا طرفدار رہا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے"۔

یہ امر بھی جتانا ضروری ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔ اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے مورخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں۔ لیکن یہ اس کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط کر دے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔

اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کیلئے ترتیب اور انداز سے لکھتے ہیں کہ وہ واقعہ بالکل ان کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

① بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آ سکتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آ گئے ہیں اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اسی عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھائی گئی ہے۔

② کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انہیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق

تھے اور ان کی خصوصیت خاص رکھتے تھے

(۳) جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ مثلاً ازالۃ الخفاء وریاض النضرۃ وغیرہ ان کا جہاں حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص ایسی روایت کی تصدیق اور صحیح کتابوں سے کرلی گئی ہے۔ غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے

من که یک چند زدم مهر خموشی بر لب
کس چه داند که درین پرده چه سودا کردم
ملکے تازه که خواهم به عزیزان بخشود
لختے از ذوق خودش نیز تماشا کردم
محتسب از باده نه شیشه نه سبو و خم
باده تندتر دوش به مینا کردم
باز خواهم که دمد در تن اندیشه ناب
سخنی که دریوزه فیض از دم عیسی کردم
مشکلی نکته حکمت ز شریعت کی جست
لختے از خود روح القدس املا کردم
شاهد راز که کس پرده ز رویش نگرفت
گره از بند قبایش به فسون وا کردم
بسکه هر بار گهر بار تفقه زین راه
دشت عشق همه پر لولوے لالا کردم

نام و نسب ـ سن رشد و تربیت

سلسلہ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عدنان کے نیچے گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے۔ ان ہی کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں سے دس شخصوں نے اپنے زور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا[1] اور ان کے انتساب سے دس جدا نامور قبیلے بن گئے۔ یعنی ہاشم، امیہ، نوفل، عبد الدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدی کی اولاد سے ہیں۔ عدی کے دوسرے بھائی مرۃ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔ قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے اس لئے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چھتر بھی ان پر سایہ افگن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے اور ہر صیغے کا اہتمام جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی، حجاج کی خبر گیری، سفارت، شیوخ قبائل کا انتخاب، فصل مقدمات، مجلس شوریٰ وغیرہ وغیرہ۔ عدی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جد اعلیٰ تھے۔ ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے۔ یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ منافرہ کے معرکوں میں ثالث بھی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو افضلیت کا دعویٰ ہوتا تو ایک لائق اور پایہ شناس ثالث مقرر کیا جاتا۔ اور دونوں اس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے۔ کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے۔ جو لوگ ان معرکوں میں حَکم مقرر کئے جاتے ان میں معاملہ فہمی کے علاوہ فصاحت اور زور تقریر کا جوہر بھی درکار ہوتا۔ یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے۔

---

[1] یہ تمام تفصیل عقد الفرید باب فضائل عرب میں ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جدِّ امجد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اسی وجہ سے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد المطلب اور حرب بن اُمیہ میں جب ریاست کے دعویٰ پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا۔ نفیل نے عبد المطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے۔

اتنافر رجلاً هو اطول منک قامةً واوسم وسامةً واعظم منک هامةً واکثر منک ولداً واجزل منک صفداً وانی لا اقول هذا وانک لبعید الغضب رفیع الصوت فی العرب جلد المریرة لحبل العشیرة۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برادر عم زاد

نفیل کے دو بیٹے تھے عمرو، خطاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے نہایت اعلیٰ درجے کے شخص تھے۔ وہ ان ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور موحد بن گئے تھے۔ ان میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل۔

زید بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ برا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے۔ اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ خطاب نے اس قدر ان کو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے اور حرا میں جا رہے۔ تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں جن سے ان کے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک شعر یہ ہے۔

اَرَبّاً واحداً ام الف رب

؎ زید کا مفصل حال اصابہ، کتاب الاوائل اور معارف ابن قتیبہ میں ہے۔

ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزیٰ جمیعاً
کذلک یفعل الرجل البصیر

ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں کو؟ جب امور تقسیم ہو گئے میں نے لات اور عزیٰ (بتوں کے نام تھے) سب کو خیرباد کہا اور سمجھدار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب

خطاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اس لئے قبیلہ تیمی کو دبتا تھا عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر سہم کے دامن میں پناہ لی۔ اس پر بھی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطاب نے یہ شعر کہے

ابو عدنی ابو عمرو ودونی
رجال لا ینهنها الوعید
رجال من بنی سهم بن عمرو
الی ابیا تهم یاوی الطرید

کل تین شعر ہیں اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں ان کو تمام و کمال نقل کیا ہے عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انہی کے ہاتھ بیچ ڈالے لیکن خطاب کے متعدد مکانات صفا میں باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفا اور مروہ کے بیچ میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ڈھا کر حاجیوں کے اترنے کے لئے میدان بنا دیا۔ لیکن اس کے متعلق بعض دکانیں مدت تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے قبضے میں رہیں۔ خطاب نے متعدد شادیاں اونچے گھرانوں میں کیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں کا نام حنتمہ تھا۔ جو ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ اس رتبہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی سے لڑنے کے لئے جاتے

---

۱ [illegible] ۲ [illegible]

تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے ان کو صاحب الاعنہ کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نانا تھے۔ ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور روایات کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن عاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً ایک غل اٹھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کے بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی۔ ان کے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کیونکر معلوم ہو سکتے۔ اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ جوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے۔ تاہم نہایت تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جن کا نقل کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔

سن رشد

سن رشد کو پہنچ کر ان کے باپ خطاب نے ان کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کو چرانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ ان سے سلوک کرتے تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مصیبت انگیز خدمات انجام دینی پڑتی تھی۔ اس کا نام ضجنان تھا۔ جو کہ مکہ معظمہ کے قریب قدید سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو ان کو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدہ کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا تھا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں۔ (طبقات ابن سعد)

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھے۔ عرب میں اس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمہ شرافت خیال کی جاتی تھیں۔ نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور مقرری تھی۔

نسب دانی کا فن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بتصریح لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے باپ اور دادا نفیل تینوں بڑے نساب تھے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور منافرہ یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور ان کے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاحظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل تھا۔ یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے۔ عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میلہ لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جوہر دکھاتے تھے اس لئے وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذبیانی، حسان بن ثابت، قیس بن ساعدہ، خنساء جن کو شاعری اور طلاقت تقریر میں تمام عرب مانتا تھا، اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بہ سند روایت نقل کی ہے کہ عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔

شہسواری کی نسبت ان کا کمال عموماً مسلم ہے۔ چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔ قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مصرح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے دیا تھا۔ اور یہ منصب صرف اسی شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار ان کو یاد تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت ہی میں عکاظ کی تعلیم گاہ سے حاصل کیا ہوگا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے

۔۔ طبقات ابن سعد (مطبوعہ مصر) صفحہ ۱۹۳۔ ۲ انساب الاشراف بر مطلع یہی تشریح کی ہے

تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ علامہ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں ۱۷ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے' ان میں ایک عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱)

ان فنون سے فارغ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے' عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا' اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا۔ یہی شغل ان کی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا' وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے' خودداری' بلند حوصلگی' تجربہ کاری' معاملہ دانی' یہ تمام اوصاف جو ان میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے' سب انہی سفروں کی بدولت تھے' ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مؤرخ نے ان پر توجہ نہیں کی۔ علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ :

> **ولعمر بن الخطاب اخبار كثيرة في اسفاره في الجاهلية الى الشام**
> **والعراق مع كثير من ملوك العرب والعجم وقد أتينا على**
> **مبسوطها في كتابنا اخبار الزمان والكتاب الاوسط**

> "عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر
> کئے ان سفروں میں جس طرح وہ عرب و عجم کے بادشاہوں سے ملے۔
> اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے تفصیل کے
> ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے"۔

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں۔ لیکن قوم کی بدمذاقی سے مدت ہوئی ناپید ہو چکیں' میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان حالات کا پتہ لگ سکے۔ قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے۔ لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جس کی بعض جلدیں میری نظر سے گزری ہیں' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں سے ان کو تمام عرب میں روشناس کردیا اور لوگوں پر ان کی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے یہاں تک کہ قریش نے ان کو سفارت کے منصب پر مامور کردیا۔ قبائل میں جب کوئی پیچیدہ معاملہ پیش آتا تو ان ہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل نامانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ سعید کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے لبینہ ان کے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشہ مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذباللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں۔ تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا ع

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے کہ "محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں"۔ انھوں نے کہا کہ "پہلے اپنے گھر کی خبر لو' خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں"۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں۔ اور قرآن کے اجزاء چھپا لئے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی۔ بہن نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے۔ اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا۔ اسی حالت میں

ان کی زبان سے نکلا کہ "عمرؓ! جو بن آئے کرو۔ لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"۔ ان الفاظ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے بدن سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآن کے اجزا لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی۔

سبح للہ ما فی السموٰت والارض وھو العزیز الحکیم۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے **آمنوا باللہ و رسولہ** تو بے اختیار پکار اٹھے کہ

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے۔ اور اس تازہ واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی اس لئے صحابہ کو تردد ہوا۔ لیکن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا "کیوں عمر کس ارادہ سے آیا ہے؟" نبوت کی پر رعب آواز نے ان کو کپکپا دیا نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ "ایمان لانے کے لئے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام اصحاب نے مل کر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

(انساب الاشراف بلاذری و طبقات ابن سعد و اسد الغابہ ابن عساکر و کامل ابن الاثیر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا۔ اس وقت تک ۴۰ ۴۵ آدمی اسلام لا چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم اپنے مذہبی فرائض علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں تو نماز پڑھنا بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کے ساتھ دفعتہً یہ حالت بدل گئی۔ انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی۔ لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا۔

فلما اسلم عمر قاتل قریشا حتی صلی عند الکعبۃ و صلینا معہ

"جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو قریش سے لڑے، یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں وقوع ہوا۔

ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

اب قریش ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا ان کی بے پروائی غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقے میں آ گئی تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانا چاہا۔ حضرت ابو طالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جس جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اسی سختی سے گزرا۔ اس کی تفصیل ایک نہایت دردانگیز داستان ہے۔

اسی اثناء میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابو سلمہ عبد اللہ بن الاشہل رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤذن اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا۔ صحیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے۔ لیکن ناموں کی تفصیل نہیں۔ ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی

زید بن خطاب، سعید بن زید بن خطاب، خنیس بن حذافہ سہمی، عمرو بن سراقہ، عبداللہ بن سراقہ، واقد بن عبداللہ تمیمی، خولی بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی، ایاس بن بکیر، عاقل بن بکیر، عامر بن بکیر، خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سے زید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی، سعید بھتیجے، خنیس داماد اور باقی دوست احباب تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیام گاہ

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی، مہاجرین زیادہ تر قبا میں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہیں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مکان پر ٹھہرے۔ قباء کو عوالی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ (۶۲۲ء) سنہ ہجری نبوی میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔

مہاجرین اور انصار میں اخوت

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا، انصار کو بلا کر ان میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا اثر یہ ہے کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا انصاری مہاجر کو اپنی جائیداد، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا، اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے، اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے، یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا اسی رتبے کے انصاری کو اس کا بھائی بناتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلامی بھائی

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس کا بھائی قرار دیا، ان کا نام عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، جو قبیلہ بنو سالم کے سردار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] دیکھو [illegible] ابن ہشام، [illegible] تاریخ [illegible] (صفحہ ۲۳۷) میں عتبان [illegible] اوس بن خولی کا نام لکھا ہے لیکن [illegible] ابن سعد نے [illegible] استیعاب میں [illegible] عتبان ہی کا نام لکھا ہے اور اوس بن خولی [illegible] لکھا ہے حضرت عمر کی [illegible] کا ذکر نہیں کیا۔

تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قباء ہی میں قیام رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہیں مقیم رہے۔ لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناغہ دے کر بالالتزام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے اور دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ ان کے برادر اسلامی عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر روایت کرتے تھے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب النکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینہ پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض و ارکان محدود اور معین کئے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ زکوٰۃ، روزہ، نماز جمعہ، نماز عیدین، صدقہ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں۔ یہاں تک کہ اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز تھی۔ بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا، اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ نکلے اور انہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان)

اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق قائم ہوا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا بڑا شعار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم انہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

سن ۱ ہجری (۶۲۲ء) تا وفات رسول اللہ ﷺ
غزوات و دیگر حالات

سن ۱ ہجری (۶۲۲ء) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات اور حالات در حقیقت سیرۃ نبوی کے اجزاء ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لڑائیاں پیش آئیں، غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے، وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کیے گئے، اشاعت اسلام کے لئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں، ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۃ نبوی سے بدل جاتا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کارنامے گو کتنے ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں اس لئے جب قلمبند کئے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی قرار پائے گا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے ضمناً ذکر میں آئیں گے اس لئے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں۔ اور جن واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص تعلق ہے ان کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جائے۔ اس صورت میں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک کسی واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے اس کی اصلی شان قائم نہیں رہتی تاہم اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

اب ہم اختصار کے ساتھ ان واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کر دیا جائے تو وہ زور پکڑ جائیں گے اس خیال سے انہوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا، صرف اس قدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر پا کر ان کو روکنے کے لئے تھوڑی سی

فوجیں بھیجیں اور سب وہیں رک گئے۔

غزوۂ بدر سن ۲ ہجری (۶۲۳ء)

۲ ہجری (۶۲۳ء) میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ابو سفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لے کر شام سے واپس آ رہا تھا کہ راہ میں یہ (غلط) خبر سن کر کہ مسلمان اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ امڈ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ عام مؤرخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینے سے نکلنا صرف قافلے کے لوٹنے کی غرض سے تھا۔ لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی، اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

> **كما اخرجك ربك من بيتك بالحق وان فريقا من المومنين**
> **لكارهون يجادلونك فى الحق بعد ما تبين كانما يساقون الى**
> **الموت وهم ينظرون واذ يعدكم الله احدى الطائفتين انها**
> **لكم وتودون ان غير ذات الشوكة تكون لكم ۔**

> ”جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی پر نکالا اور بےشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا، وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے۔ بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جب کہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے“

① جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔

② مدینے سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیر ذات الشوکہ یعنی ابو سفیان کا کاروانِ تجارت اور دوسرا قریش کا گروہ جو مکے سے حملہ کرنے کے لئے سروسامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اس کے علاوہ ابو سفیان کے قافلے میں ۴۰ آدمی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مدینے سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے۔ تین سو آدمی ۹۵۰ آدمی کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے۔ اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے لوٹنے کے لئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان ان کے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہرحال ۸ رمضان ۲ ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۳ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی، جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے۔ مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریباً ۶ منزل ہے معرکہ ہوا۔ اور کفار کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۱۴ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے۔ قریش کی طرف سے ۷۰ مقتول اور ۷۰ گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے، اور ان کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اس معرکہ میں رائے، تدبیر، جانبازی، پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے۔ لیکن ان کی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں۔

① قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے میں سے ایک شخص بھی شریک جنگ نہیں ہوا اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رعب و داب کا اثر تھا۔

② حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے قبیلے اور حلفاء کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے جن کے نام یہ ہیں۔ زید، عبداللہ بن سراقہ، عمرو بن سراقہ، واقد بن عبداللہ، خولی بن ابی خولی، عامر بن ربیعہ، عامر بن بکیر، خالد بن بکیر، ایاس بن بکیر، عاقل بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

③ سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۴۴۵)

④ عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (ابن جریر صفحہ [illegible] واقعات باب)

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ اس کی

---

[1] طبری کے الفاظ یہ ہیں۔ فلم یکن بقی من قریش بطن الا نفر منھم ناس الا بنی عدی بن کعب لم یخرج منھم رجل واحد صفحہ [illegible]

پہلی مثال ہے

اس معرکہ میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے ان کی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی۔ اور ان میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے سردار تھے۔ مثلاً حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عقیل (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی) ابو العاص بن الربیع، ولید بن الولید ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارکہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نظر جب ان پر پڑی تو بے اختیار بول اٹھیں کہ "اعطیتم بایدیکم هلا متم کراما" تم مطیع ہو کر آئے ہو۔ شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے۔

قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمر [illegible] کی رائے

اس مقام پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے رائے لی۔ اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں، اس لئے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ اسلام کے معاملے میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کر دینا چاہئے۔ اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے علی عقیل کی گردن ماریں، حمزہ عباس کا سر اڑائیں اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شان رحمت کے اقتضاء سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پسند کی۔ اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا[1] اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

> ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض الخ
> "کسی پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک
> کہ وہ خوب خونریزی نہ کر لے"۔

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا، مدینہ منورہ اور اس کے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلے میں سب سے پہلے کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے برخلاف دشمن کو مدد نہ دیں گے

---

[1] طبری صفحہ ۱۳۵۵۔

اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئے تو مسلمانوں کی مدد کریں گے" لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے فتحیاب آئے تو ان کو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر ان کے برابر کے حریف نہ بن جائیں۔ چنانچہ خود چھیڑ شروع کی۔ اور کہا کہ "قریش والے فن حرب سے ناآشنا تھے۔ ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اس کو کہتے ہیں" نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا توڑ ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۲ھ ہجری میں ان پر چڑھائی کی۔ اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ اسلام کی تاریخوں میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اس کی ابتداء اسی سے ہوئی تھی۔

غزوۂ سویق

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بیتاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لوں گا غسل تک نہ کروں گا۔ چنانچہ ذوالحجہ ۲ھ ہجری میں دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑا۔ اور ان کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا۔ لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال ۳ھ ہجری (۶۲۵ء) میں جنگ احد کا مشہور واقعہ ہوا۔

غزوۂ احد ۳ھ ہجری

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور دیگر بہت سے سرداران قریش نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جا سکتا ہے۔ ابوسفیان نے قبول کیا۔ اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہو گئے۔ ابوسفیان ان کا سپہ سالار بن کر بڑے سر و سامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ اور ماہ شوال بدھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر مقام کیا۔ آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے۔ لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے۔ قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں ۲۰۰ سوار اور ۷۰۰ زرہ پوش تھے۔ میمنہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ اس وقت تک یہ دونوں

صاحب اسلام نہیں لائے تھے) ادھر کل سات سو آدمی تھے جن میں سو زرہ پوش اور صرف دو سوار تھے۔ مدینہ سے قریباً تین میل پر احد ایک پہاڑ ہے۔ اس کے دامن میں دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر کو ۵۰ تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔ ۳ھ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج کو لے کر حملہ کیا۔ اور قریش کے میمنہ کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابودجانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ اور ان کی صفیں الٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے۔ اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعتاً عقب سے بڑے زور و شور کے ساتھ حملہ کیا۔ مسلمان چونکہ ہتھیار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں۔ اسی کے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ اور لوگوں کی نظر سے چھپ گئے[1] اس برہمی میں یہ غل پڑ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو متزلزل کر دیا۔ اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہو کر رہ گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخیر تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی یعنی سعد اور طلحہ رہ گئے تھے۔ نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ محمد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۴ آدمیوں کا نام لیا ہے۔ اسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب ادھر ادھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعتاً عقب سے حملہ کیا۔ اور مسلمان سراسیمہ ہو کر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتے گئے

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انہوں نے مدینہ آ کر دم لیا۔ کچھ لوگ

---

[1] یہ پوری تفصیل فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۲۷۲ میں ہے

جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مجبور مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی تیسرے گروہ میں تھے، علامہ طبری میں بسند متصل جس کے رواۃ حمید بن سلمہ، محمد بن اسحٰق، قاسم بن عبد الرحمٰن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے تم بھی انہی کی طرح لڑ کر مر جاؤ۔ یہ کہہ کر غنیم پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی۔ قاضی ابو یوسف نے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری۔ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہو گئے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ شہید ہو گئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔ ابن ہشام میں ہے کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے۔

طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی ہے اور یہ مسلم ہے کہ اس معرکہ میں ان سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا۔ بہرحال یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ سے نہیں ہٹے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمت میں پہنچے طبری اور سیرت ہشام میں ہے۔

فلما عرف المسلمون رسول اللّٰہ ﷺ نهضوا به ونهض نحو الشعب معه علي بن ابي طالب وابو بكرؓ ابن قحافة وعمر بن الخطاب وطلحة بن عبد اللّٰہؓ والزبير بن العوام والحارث بن صمة

"پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرت کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لے کر پہاڑ کے درے پر چڑھ گئے اس وقت آپ کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر

؎ طبری صفحہ [illegible] کتاب الخراج [illegible]

بن العوام اور حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے"۔

علامہ بلاذری صرف ایک مؤرخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں یہ لکھا ہے۔

> **وکان ممن انکشف یوم احد فغفرلہ**
>
> "یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں تھے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے۔ لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا"۔

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کئے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا اس سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس کا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا۔ اور عبداللہ کا باپ (یعنی حضرت عمرؓ) نہیں رہا تھا۔ لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے درایۃً غلط ہے کیونکہ معرکہ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے* علامہ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔ ان میں عباس بن عبداللہ الباکسائی اور عبیثر بن اسحاق ہیں اور دونوں مجہول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ اور تمام روایتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستہ فوج کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے۔ رسول اللہ اس وقت تیس (۳۰) صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا۔ یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔[ف] ابوسفیان سالار قریش نے درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ہیں یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لے کر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ "ضرور یہ لوگ مارے گئے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رہا نہ گیا پکار کر کہا "او دشمن خدا! ہم

[ف] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۵۷۰ و طبری صفحہ ۱۴۱۱

سب زندہ ہیں" ابو سفیان نے کہا "اعل ہبل" "اے ہبل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو" رسول اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جواب دو "اللہ اعلیٰ واجل" یعنی خدا بلند و برتر ہے۔ (سیرت ہشام صفحہ ۵۸۳ مطبوعہ مصر)

حضرت حفصہؓ کا عقد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

اس سال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا۔ خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خواہش کی کہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لے لیں۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی وہ بھی چپ رہے کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ۳ ہجری شعبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔

واقعہ بنو نضیر ۴ ہجری (۶۲۵ء)

۴ ہجری (۶۲۵ء) میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے۔ آنحضرت نے ان سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد نقض عہد کیا اور اس جرم میں مدینے سے نکال دیئے گئے۔ دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا۔ یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ۴ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک معاملے میں استعانت کے لئے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئے۔ ان لوگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عمرو بن حجاش تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پتھر کی سل گرا دے۔ وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی۔ آپ اٹھ کر چلے آئے۔ اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ انہوں نے انکار کیا اور مقابلے کی تیاریاں کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قابو پا کر جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے کچھ خیبر

میں جا کر آباد ہوئے۔ اور وہاں حکومت قائم کر لی۔ (طبری صفحہ ۲۵۱)

خیبر والوں میں اسلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع اور حیی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیبر میں پہنچ کر مطمئن ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینا چاہا، مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دورہ کیا اور تمام ممالک میں ایک آگ لگا دی۔

جنگ خندق یا احزاب ۵ ہجری (۶۲۷ء)

چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور شوال ۵ ہجری میں ابو سفیان کی سپہ سالاری میں اس سیلاب نے مدینہ کا رخ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر سلع[1] کے آگے ایک خندق تیار کرائی، عرب میں خندق کا رواج نہ تھا۔ اس لئے کفار کو اس کی کچھ تدبیر نہ آئی مجبوراً محاصرہ کر کے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی، ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے خندق کے ادھر ادھر کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو متعین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں، ایک حصے پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعین تھے۔ چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبیر کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا۔ اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اس قدر ان کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔[2]

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو ۵۰۰ سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کے مارے جانے کے بعد ادھر قریش میں کچھ بے دلی پیدا ہو گئی، ادھر نعیم بن مسعود نے جو اسلام لا چکے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی۔ جوڑ توڑ سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوا دی۔ مختصر یہ کہ کفر کا ابر سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹتا گیا۔ اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

---

[1] مدینہ سے ذرا ہٹ کر ایک پہاڑ ہے۔

[2] یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے۔ لیکن میں نے کسی کتاب میں اس کی سند نہیں پائی۔

واقعہ حدیبیہ ۶ ہجری (۶۲۸ء)

۶ ہجری میں آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا۔ اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو۔ حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل پر ایک مقام ہے) پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ اور آپ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لئے۔ جبکہ مکہ معظمہ دو منزل رہ گیا تو مکہ سے بشرؓ بن سفیان نے آکر خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں سے کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انہوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی میرا حامی موجود نہیں۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز و اقارب وہاں ہیں' اس لئے ان کو بھیجنا مناسب ہو گا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک رکھا۔ اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے گئے رسول اللہ نے یہ سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی۔ اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی تھی' یہ واقعہ بیعت الشجرۃ کے نام سے مشہور ہوا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں "لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ" اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اس کو بیعت رضوان بھی کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوہ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی جا کر بیعت کی' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سجا رہے ہیں۔ عبداللہ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت اٹھے اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے ردوبدل کے

بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان الٹے واپس جائیں۔ اگلے سال آئیں۔ لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں، معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور اس اثناء میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیں۔ لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو اختیار ہو گا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں جاچکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ انہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہو گی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسکین نہیں ہوئی خود رسول اللہ کے پاس گئے۔ اور اس طرح بات چیت کی۔

یا رسول اللہؐ! کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟
رسول اللہؐ ! بے شک ہوں۔
حضرت عمرؓ ! کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟
رسول اللہؐ ! ضرور ہیں۔
حضرت عمرؓ ! پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔
رسول اللہؐ ! میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا، چنانچہ بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی۔ اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے نفلیں پڑھیں، خیرات دی، غلام آزاد کئے، تاہم سوال و جواب کی اصل بناء اس نکتہ پر تھی کہ رسول کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کون سے رسالت کے منصب سے۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور اس پر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی۔[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر وہ سورہ نازل ہوئی جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے

---

[1] طبری صفحہ ۱۵۴۶

زبان محبوب سے یہ کہہ کر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں   انا فتحنا لک فتحا مبینا۔

(صحیح بخاری واقعہ حدیبیہ)

محدثین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے۔ صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول ہوا۔ اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز پھیلتے گئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے اٹھارہ برس قبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے۔ جس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی تھی اور ابتداءً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فہم میں نہ آسکی وہ یہی مصلحت تھی۔ اور اسی بنا پر خدا نے سورۂ فتح میں اس صلح کو فتح کے لحاظ سے تعبیر کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا

اس زمانے تک کافرہ عورتوں کو عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی   ولا تمسکوا بعصم الکوافر   تو یہ امر ممنوع ہو گیا[۱] اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافرہ تھیں طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا ام کلثوم بنت جرول تھا۔ ان دونوں کو طلاق دینے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمیلہ سے جو ثابت بن ابی الافلح کی بیٹی تھیں نکاح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند عاصم انہی کے بطن سے تھے۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین اور والیان ممالک کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔

جنگ خیبر ۷ ہجری (۶۲۸ء)

۷ ہجری میں خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلہ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے۔ خیبر میں جا کر آباد ہوئے تھے انہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے ۵ ہجری میں قریش کو جا کر بھڑکایا۔ اور ان کو مدینہ پر چڑھا لائے۔ اس تدبیر میں اگرچہ ان کو ناکامی ہوئی۔ لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۶ ہجری میں قبیلہ بنو سعد نے ان کی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور پانچ سو اونٹ غنیمت میں ہاتھ آئے[۳] پھر قبیلہ غطفان کو آمادہ کیا چنانچہ جب آنحضرت صلی

---

۱ فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۳۴۰ ذکر حدیبیہ۔   ۲ طبری واقعات ۶ھ۔   ۳ مواہب لدنیہ و زرقانی ذکر سریہ علی الی بنی سعد۔

اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سد راہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے ضروری تھا کہ یہودیوں کا زور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان ان کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض ۷ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو پیدل اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کا رخ کیا۔ خیبر میں یہودیوں نے بڑے مضبوط قلعے بنا لئے تھے۔ مثلاً حصن ناعم، حصن قموص، حصن صعب، وطیح اور سلالم، یہ سب قلعے جلد از جلد فتح ہو گئے۔ لیکن وطیح وسلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا۔ آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مامور ہوئے۔ وہ برابر دو دن جا کر لڑے۔ لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ علم نبوی کی امید میں بڑے سروسامان سے ہتھیار سج کر آئے۔ ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی۔ لیکن قضا وقدر نے یہ فخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر علم ان کو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ خیبر کی زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا۔ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایہ امن میں آئے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ ان دونوں قبیلوں میں مدت سے ان بن تھی۔ اور مدت سے

معرکے ہو چکے تھے لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح (۶ھ) عمل میں آئی اور شرائط صلح کی رو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے لیکن چند روز بعد بنو بکر نے نقض عہد کیا اور قریش نے ان کی اعانت کی۔ یہاں تک کہ خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لی۔ تب بھی ان کو پناہ نہ ملی۔ خزاعہ نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ ابوسفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لئے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا تو اٹھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملے کو طے کرا دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں۔ اور رمضان ۸ ہجری میں ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ مقام مرالظہران میں نزول اجلال ہوا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے۔ ادھر سے ابوسفیان آ رہا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا۔ "آ میں تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن دلا دوں۔ ورنہ آج تیری خیر نہیں۔" ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو لیا۔ راہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامنا ہوا۔ ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیال کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی سفارش کے لئے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "عمر! ابوسفیان اگر عبدمناف کے خاندان سے نہ ہوتا۔ اور تمہارے قبیلے کا آدمی ہوتا تو تم اس کی جان کے خواہاں نہ ہوتے۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوئی تھی۔ جب آپ اسلام لائے تھے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش قبول کی۔ اور ابوسفیان کو امن دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور در کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ جو بعینہ تاریخوں میں منقول ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو چنانچہ عورتوں نے انہی کے ہاتھ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

غزوۂ حنین

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ابتداء سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے ارادے سے مدینے سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے تو مکہ پر حملہ کے لئے بڑے سازوسامان سے روانہ ہو کر حنین میں ڈیرے ڈالے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے۔ حنین میں دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملہ میں ہوازن کو بھگا دیا۔ لیکن مال غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا۔ اور اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں میں ہلچل مچ گئی۔ اور بارہ ہزار آدمیوں سے معدودے چند...... کے سوا باقی سب بھاگ نکلے۔ اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔ اور ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں۔ اور مغازی وسیر کے امام مانے جاتے ہیں۔ کتاب المغازی میں لکھا ہے کہ "وبا پیغمبر چند تن از مہاجرین و بعض از اہل بیت بازماندہ بودند مثل ابوبکر و علی و عمر و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بود۔ لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر بن گئی۔ یعنی مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

۹ ہجری میں خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا

---

[1] حنین طائف کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے تین دن کی مسافت پر ہے۔ [2] تاریخ طبری۔ [3] صحیح مسلم غزوۂ حنین۔ [4] ابن اسحاق کی اصل کتاب اب نہیں ملتی۔ لیکن اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ فارسی زبان میں میری نظر سے گزرا ہے اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ ترجمہ ۶۲۰ھ میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا۔ اور اس کا ایک نہایت قدیم نسخہ الہ آباد کے کتب خانہ عام میں موجود ہے۔

زمانہ تھا۔ اس لئے لوگوں کو زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے۔ لیکن مقام تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ اس لئے چند روز قیام فرما کر واپس آ گئے

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی۔ اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرز عمل سے یہ خیال ہوا تھا کہ آپ نے ازواج کو طلاق دے دی اس لئے تمام صحابہ کو نہایت رنج و افسوس تھا۔ تاہم کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہونا چاہا۔ لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکار کر دربان سے کہا کہ "شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہ (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کے لئے آیا ہوں خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو میں جا کر حفصہ کی گردن مار دوں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً بلا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ "کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تمام مسلمان مسجد میں سوگوار بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو انہیں یہ مژدہ سنا آؤں۔ اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہی واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ "عمر تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے یہاں تک کہ اب ازواج میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔"[1]

۱۰ ہجری (۶۳۱ء) میں تمام اطراف عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں۔ اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آ گئے۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپ کا آخری حج تھا۔ ۱۱ ہجری (۶۳۲ء) ماہ صفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے مقابلے کے لئے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مامور کیا۔ اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جائیں لشکر تیار ہو چکا تھا کہ اخیر صفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور تیاری ملتوی ہو گئی۔

---

[1] متعدد روایتوں میں [illegible] منقول ہے لیکن [illegible] نہیں ہے۔ [illegible] صحیح مسلم
باب الطلاق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے۔ بیہقی نے بہ سند صحیح ان کی تعداد دس دن بیان کی ہے۔ سلیمان تیمی نے بھی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے۔ بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اس قدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے، یہاں تک کہ عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔

قرطاس کا واقعہ

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا۔ اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ "رسول اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں"۔ (نعوذ باللہ) روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ "لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی۔ اور اس لئے اس میں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ بے پروائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے۔ طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نعوذ باللہ)

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں۔ اور اصول درایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اس لئے مسئلہ نا منفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں۔ یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ پیغمبر سے ہذیان ہونا ممکن ہے کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۸

یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے، اس سے کسی امر پر استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ قلم دوات طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار دن تک زندہ رہے۔

(۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

(۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں سات طریقوں سے مذکور ہے) تاہم بجز عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

(۵) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا (بخاری باب کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ میں موجود تھے اس سے محدثین نے اس پر حجت کی ہے اور بہ ادلہ قطعیہ ثابت کیا ہے کہ موجود نہ تھے دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم)

(۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں (علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے کہ ان کا منشا یہ ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار اور تعجب کے طور پر کہا تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان کا خیال کیونکر کیا جا سکتا ہے خدانخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی ہوش ہیں تو ان کی اس بات کا انکار کیونکر ہو سکتا ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں ہے مثلاً

ھجر ھجر (ہذیان) فقالوا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہجر (صحیح مسلم)

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلال حواس کا کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے کہ "قلم دوات دو" لوگوں کو ہذیان کا کیونکر خیال پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کرو کہ انبیاء سے

ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اس کے یہ تو معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ قلم دوات لاؤ میں ایسی چیزیں لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو اس میں ہذیان کی کیا بات ہے؟[1] یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہر حال تسلیم کرنا ہو گا کہ راوی نے روایت میں وہ فقرات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں نہیں ہیں اور بے ہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ یہی اتنی روایت ہے جس میں راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں۔ کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ ان کی عمر اس وقت ۱۳-۱۴ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ کوتاہ نظروں پر یہ امر گراں گزرتا ہے کہ بخاری اور مسلم کی روایت پر شبہ کیا جائے لیکن ان کو سمجھنا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری حیثیت محفوظ نہ رکھ سکا، اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے۔ اور اسی اثناء میں متفرقا بہت سی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں جس دن وفات ہوئی آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرت نے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری دو شنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ منگل کو دن ڈھلے مدفون ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپ کی وفات سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ عام روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس قدر خود رفتہ ہو گئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ "جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی اس کو قتل کر دوں گا"

---

[1] [illegible]

لیکن قرائن اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے، ہمارے نزدیک چونکہ مدینے میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا۔ جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا منتظر تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلحتاً اس خبر کو پھیلنے سے روکا ہوگا۔ اسی واقعہ نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس کے مطابق نہیں ہو سکتیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی۔ اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا۔ کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کی جائے۔ کس کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آ جائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہ و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی۔ اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بزور منوانا چاہا گو بنو ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں دو غور طلب باتیں قابل لحاظ ہیں۔

(۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے چھیڑا تھا؟

(۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ گئے تھے؟

(۳) کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے؟

(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟

پہلی دو بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب مسند ابو یعلیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہے۔

بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر ان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکوھم ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق۔

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعتاً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب (حضرت عمرؓ) ذرا باہر آؤ میں نے کہا چلو ہٹو ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بندوبست میں مشغول ہیں اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے۔ یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ اس وقت میں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو"۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی کیفیت یہ ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی کو تین گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی تھی۔ (۱) بنو ہاشم جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل تھے (۲) مہاجرین کے رئیس و افسر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے (۳) انصار جن کے شیخ القبیلہ سعد بن عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان سے باہر نکلے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزاج کیسا ہے' چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کے فضل وکرم سے آپ اچھے ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے۔ کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندان عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب (خلافت) کس کو حاصل ہو گا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لیے وصیت فرما دیں گے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا تو پھر آئندہ کوئی امید نہ رہے گی۔

(صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری)

اس روایت سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت تک یقین نہ تھا اس لئے انہوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا اس کے علاوہ اپنے انتخاب کئے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک مجمع ہوا تھا جس میں تمام بنو ہاشم اور ان کے اتباع شریک تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی روایت ہے (صحیح بخاری کتاب المحدباب رجم الحبلی)

> كان من خبرنا حين توفی اللّٰہ نبيه ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرهم فی سقيفة بنی ساعدة وخالف عنا علی والزبير ومن معهما واجتمع المهاجرون الی ابی بكر۔
>
> "ہماری سرگزشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا تو انصار نے تاہم ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی۔ اور مہاجرین ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمع

ہوئے"۔

یہ تقریر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بہت بڑے مجمع میں کی تھی جس میں سینکڑوں صحابہ موجود تھے اسلئے اس بات کا گمان نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو ورنہ یہ لوگ ان کو وہیں ٹوک دیتے۔ امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے۔ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

> **وان علیا والزبیر ومن کان معهما تخلفوا فی بیت فاطمة بنت رسول اللہ ﷺ** (فتح الباری شرح حدیث سقیفہ)
>
> "اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے"۔

تاریخ طبری میں ہے۔

> **وتخلف علی والزبیر واخترط الزبیر سیفه وقال لا اغمده حتی یبایع علی۔** (تاریخ طبری صفحہ ۱۸۲۰)
>
> "اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علیحدگی اختیار کی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار میان میں نہ ڈالوں گا"۔

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے۔

(۱) انصار (۲) مہاجرین (۳) بنو ہاشم

② مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔

③ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے آئے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غم والم میں مصروف تھے' اور ان کو ایسے پر درد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکتا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین اور انصار جمع تھے۔ اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعویٰ کی تائید نہ کرتا۔ کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بے جا تھا یا بجا؟ جس کو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو با آسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے .... منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں کیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع اور گریہ زاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے۔ اور ایک مستقل حالت قائم ہو جائے انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا۔ کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ "محمد! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے" کسی طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے' تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا **"وان العرب لا تعرف هذا الامر الا لهذا الحی من قریش"** اس کے علاوہ انصار میں خود گروہ تھے' اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضروری تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دبا دیا جائے' اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے بااثر بزرگ اور معمر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور فوراً ان کا انتخاب بھی ہو جاتا۔ لیکن لوگ انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے۔ اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمان' ابوعبیدہ بن جراح' عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی ہاتھ بڑھائے[1] اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس کارروائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک

---

[1] ابن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ اول صرف پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی۔

کیا۔ اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے صرف بنو ہاشم اپنے ارادہ پر رکے رہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بزور ان سے بیعت لینی چاہی۔ لیکن بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا "یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تاہم اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا"۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا۔ اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں واقع ہوئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے کیونکہ انہوں نے جمادی الثانی ۱۳ ہجری میں انتقال کیا۔ اس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت سے انجام پائے۔ تاہم ان واقعات کو ہم الفاروق میں نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ بہرحال عہد صدیقی کے واقعات ہیں۔ اور اس شخص کا حصہ ہیں جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ مدتوں کے تجربے سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بار گراں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کسی سے اٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب انہوں نے رائے کا اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "ان کی سختی اس لئے

تھی کہ میں نرم تھا۔ جب کام انہی پر آ پڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ "میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں"۔ جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا۔ چنانچہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ "آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے۔ اب آپ خدا کے ہاں جاتے ہیں۔ یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا" حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا"۔ یہ کہہ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور عہد نامہ لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوائے جا چکے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا لکھا ہے مجھ کو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا کہ "خدا تم کو جزائے خیر دے"۔ عہد نامہ لکھا جا چکا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنائے پھر خود بالا خانے پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ بلکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔ کیا تم لوگ اس پر راضی ہو؟ سب نے **سمعنا واطعنا** کہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت مؤثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے عمدہ دستور العمل کی جگہ کام آئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مرتدین عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی ۱۲ ہجری میں عراق میں لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ ۱۳ ہجری (۶۳۴ء) میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عنان خلافت اپنے ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام انہی مہمات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب بائدہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ اس کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر ہے کہ عاد و عمالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عاربہ جو یمن کے فرمانروا تھے ان کی حکومت ایک زمانہ میں بہت دور دور پھیل گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے۔ اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہو گئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا۔ اور بیت المقدس کی بربادی نے اس کے نام کو شہرت دے رکھی ہے۔ جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اس کے مطیع ہو گئے اور اسی تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی۔ عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی۔ جس کا پہلا فرمانروا مالک بن فہم ازدی تھا۔ اس خاندان میں جذیمۃ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی۔ اس کا بھانجا عمرو بن عدی تھا اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس نے حیرہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔ اور عراق کا بادشاہ کہلایا۔ اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہو گیا تھا کہ ہشام کلبی کا بیان ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کئے جو حیرہ میں اس زمانے

۱۔ ہشام کلبی کا یہ قول تاریخ طبری ذکر بانی حیرہ میں ہے

میں تقسیم ہوئی تھیں۔ اسی زمانے میں اردشیر بن بابک نے طوائف الملوکی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو باجگزار بنا لیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا۔ لیکن در حقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاپور بن اردشیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا۔ اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگزار ہو گئے اور امراء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا۔ اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی چنانچہ شاپور ذوالاکتاف جب صغر سنی میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ قبیلہ عبدالقیس نے خود فارس پر حملہ کیا۔ اور ایاد نے عراق کے صوبے دبا لئے شاپور جو بڑا ہو کر بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا۔ اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ بحرین پہنچ کر نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبدالقیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ رؤسائے عرب جو گرفتار ہو کر اس کے سامنے آتے تھے ان کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطین حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانہ میں تھا۔ عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیل مذہب پر یا کسی اور سبب سے پرویز نے اسکو قید کر دیا۔ اور قید ہی میں اس نے وفات پائی نعمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دیئے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا۔ پرویز نے اس سے وہ چیزیں طلب کیں۔ اور جب اس نے انکار کیا تو ہیرزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ جا کر چھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام میں بڑے سر و سامان سے جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی۔ اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا کہ

هذا اول يوم انتصفت العرب من العجم

یعنی "یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا"۔

عرب کے تمام شعراء نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ سنہ ۶ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اس کے کہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ تک نہ تھا۔ پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ باذان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیج دو کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے دربار میں لائے"۔

اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ بیچ ہی تک رہ گیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے لخم و غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور نیز وہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کہلانے لگے تھے لیکن یہ لقب خود ان کا خانہ ساز لقب تھا۔ ورنہ جیسا کہ مورخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے در حقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔

ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اور اسی وجہ سے ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یک جہتی ہو گئی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے۔ سنہ ۶ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا۔ اور دحیہ کلبی (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارض جذام میں پہنچے تو انہی شامی عربوں نے دحیہ پر حملہ کر دیا۔ اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دے کر بصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شرجیل نے ان کو قتل کرا دیا۔ چنانچہ اس کے انتقام کیلئے رسول اللہ نے سنہ ۸ ہجری میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس لڑائی میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بڑے بڑے رتبہ کے صحابہ تھے، شہید ہوئے۔ اور گو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی تاہم نتیجۃً حقیقت شکست تھا۔

۹ ہجری میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اس وقت عارضی طور سے لڑائی رک گئی لیکن رومی اور غسانی مسلمانوں کی فکر سے کبھی غافل نہیں رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مشہور ہوا کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی تو ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ کچھ تم نے سنا! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا؟ کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے۔

اسی حفظ ماتقدم کے لئے ۱۱ ہجری میں رسول اللہ نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا۔ اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بڑے بڑے معزز صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار ہو کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا جولانگاہ بن چکا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص مارا جائے گا شہید ہو گا۔ اور جو بچ جائے گا مدافع عن الدین ہو گا۔ یعنی دین کو اس نے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہو گا۔ ان واقعات سے ظاہر ہو گا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس کی تکمیل کی اس کے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحات عراق

فارس کی حکومت کا چوتھا دور جو ساسانی کہلاتا ہے نوشیرواں عادل کی وجہ سے بہت نامور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور تنومند رہی لیکن اس کے مرنے کے ساتھ دفعتہً ایسی ابتری پیدا ہو گئی کہ ایوان حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیرویہ اس کے بیٹے نے کل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم و بیش پندرہ تھے قتل کرا دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اردشیر سات برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اس کو قتل کر دیا۔ اور آپ بادشاہ بن بیٹھا یہ سنہ ہجری کا بارہواں سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اس کو قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا۔ وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں یزدگرد کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولاد ذکور باقی نہیں رہی تھی

۱؎ جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصے کئے ہیں لیکن جو حصہ عرب سے ملحق ہے اس کو عراق عرب اور جو حصہ عجم سے ملحق ہے اس کو عراق عجم کہتے ہیں عراق عرب کی حدود [illegible] شمال میں [illegible] جنوب میں [illegible] مشرق میں خوزستان اور [illegible] مشہور شہر موصل ہے اور [illegible] اور بڑے بڑے شہر اس ملک کی آبادیاں [illegible] کا عام طریقہ ہے کہ [illegible] عنوان قرار دیتے ہیں لیکن [illegible] فتوحات لکھتے [illegible] شروع ہو جاتا ہے اور ایران کا [illegible] واقعات لکھتے ہیں۔ اس لئے [illegible] ایران کی فتوحات تمام [illegible] شام و مصر کے واقعات [illegible] پہنچ جاتا ہے [illegible] ایران کی تمام فتوحات کو ایک [illegible] ایک جا لکھا ہے۔

پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یزدگرد سن شعور کو پہنچ جائے گا تو وہی تخت و تاج کا مالک ہوگا۔ (پرویز کے بعد حکومت کی ترتیب اور بادشاہوں کی تخت نشینی میں مورخین اس قدر مختلف ہیں کہ دو مورخ بھی باہم متفق نہیں۔ فردوسی کا بیان سب سے الگ ہے میں نے بلحاظ قدیم العہد و معاصری اور مستند ہونے کے ابو حنیفہ دینوری کے بیان کو ترجیح دی ہے)

پرویز کے بعد جو انقلابات حکومت ہوتے رہے اس کی وجہ سے ملک میں جابجا بے امنی پھیل گئی پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوان شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرۃ و ابلہ کی طرف غارت گری شروع کی۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیف اللہ یمامہ اور دیگر قبائل عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے۔ مثنیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ خود گرچہ اسلام لا چکے تھے۔ لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت سے واپس آکر انھوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ ان نو مسلموں کا ایک بڑا گروہ لے کر عراق کا رخ کیا۔ ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لئے۔ اور حیرۃ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے۔ اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے خورنق ایک مشہور محل بنایا تھا۔ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں لیکن ان کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں تھا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہمات عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ ادھر شام کی مہم درپیش تھی اور جس زور شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اس کے مقابلے کا وہاں پورا سامان نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربیع الثانی ۱۳ ہجری (۶۳۴ء) میں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور مثنیٰ کو اپنا جانشین کرتے جائیں[2] ادھر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعتاً رک گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ

---

[1] الاخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری۔ [2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۱۰

کی بیعت خلافت کے لئے تمام اطراف و دیار سے بے شمار آدمی آئے تھے۔ اور تین دن تک ان کا تانتا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کہا۔ لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے۔ اور وہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ مثنیٰ شیبانی نے اٹھ کر کہا کہ "مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے۔ وہ مرد میدان نہیں ہیں عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے۔ اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہیں" حاضرین میں سے ابو عبیدہ ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے وہ جوش میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ **انا لھذا** یعنی اس کام کے لئے میں حاضر ہوں۔ ابو عبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ اور مضافات سے ہزار آدمی انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبیدہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا۔ یعنی صحابی نہ تھے اس وجہ سے ان کی افسری پر کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ "عمر! صحابہ میں سے کسی کو یہ منصب دو فوج میں سینکڑوں صحابہ ہیں اور ان کا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ "تم کو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا ہے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لڑنے سے جی چرائے وہ افسر مقرر کئے جائیں" تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضروری تھی ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ ان کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایران کو چونکا دیا تھا۔ چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا دربار میں طلب کیا۔ اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ سپید کا مالک ہے یہ کہہ کر اس کے سر پر تاج رکھا۔ اور درباریوں کو جن میں تمام امراء اور اعیان سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں۔ چونکہ اہل فارس اپنی نااتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز میں تمام بد انتظامیاں مٹ گئیں اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کر لی جو ہرمز و پرویز کے

؎ بلاذری کی روایت ہے۔ طبری وغیرہ نے ۵ ہزار تعداد لکھی ہے

زمانے میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے پہلے تدبیر کی کہ اضلاع عراق میں ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دیے جنھوں نے مذہبی حمیت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھیلا دی۔ چنانچہ ابو عبیدہ کے پہنچنے سے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے رستم کی اعانت کے لئے ایک اور فوج گراں تیار کی۔ اور نرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جابان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا۔ اور عرب سے اس کو خاص عداوت تھی۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اور عراق کے بعض اضلاع قدیم اس کی جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے ادھر ابو عبیدہ اور مثنیٰ حیرۃ تک پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ مصلحت دیکھ کر خفان کو ہٹ آئے جابان نمارق پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اثناء میں فوج کو سر و سامان سے آراستہ کر لیا۔ اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لئے بڑھے نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں، جابان کے میمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے۔ مردان شاہ بد قسمتی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جابان اس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ اس کو پہچانتا نہ تھا۔ جابان نے اس سے کہا کہ اس بڑھاپے میں میں کس کام کا ہوں، مجھ کو چھوڑ دو معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لو۔ اس نے منظور کر لیا۔ بعد کو لوگوں نے جابان کو پہچانا تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔

ابو عبیدہ نے اس معرکہ کے بعد کسکر کا رخ کیا۔ جہاں نرسی فوج لئے پڑا تھا۔ سقاطیہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ اور خود کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ میمنہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی اس وجہ سے لڑائی میں دیر کر رہا تھا کہ پایہ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبیدہ کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انھوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ بہت بڑے معرکے کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبیدہ نے خود سقاطیہ میں مقام کیا۔ اور تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بھیج دیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہے ان کو وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فراوندو جو باروسما اور زوابی کے رئیس تھے۔ مطیع ہو گئے، چنانچہ اظہار خلوص کے لئے ایک دن ابو عبیدہ کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے، ابو عبیدہ نے دریافت کیا

کہ یہ سامان کل فوج کے لئے ہے یا صرف میرے لئے؟ فرخ نے کہا کہ اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا۔ ابو عبیدہ نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جس کو نوشیرواں نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا۔ چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا اور فتح و ظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا۔ دونوں حریف صف آرا ہوئے چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا بہمن نے کہلا بھیجا کہ تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں۔ ابو عبیدہ کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کو اس طرف رہنا چاہیے۔ لیکن ابو عبیدہ جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے کہا کہ یہ نامردی کی دلیل ہے۔ سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں۔ مردان شاہ جو پیغام لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا کہ ہماری فوج میں یہ عام خیال ہے کہ "عرب مرد میدان نہیں ہیں"۔ اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا۔ اور ابو عبیدہ نے اسی وقت فوج کو کمربندی کا حکم دے دیا۔ مثنیٰ اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت و شان میں ان کا رتبہ ابو عبیدہ سے بڑھ کر تھا۔

جب ابو عبیدہ نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہو جائے گی۔ تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں۔ غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اتر کر غنیم سے معرکہ آرا ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا۔ بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکتے تھے اور بڑے زور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے عرب کے گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بدک کر پیچھے ہٹے۔ ابو عبیدہ نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا۔ گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو للکارا کہ جانبازو! ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت الٹ دو۔ اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی

تھی۔ ابو عبیدہ یہ دیکھ کر فیل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مستک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے بڑھ کر ان کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیئے کہ ہڈیاں تک چور چور ہو گئیں۔

ابو عبیدہ کے مرنے پر ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا۔ اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ اس نے ابو عبیدہ کی طرح ان کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اس طرح سات آدمیوں نے جو سب کے سب ابو عبیدہ کے ہم نسب اور خاندان ثقیف سے تھے، باری باری سے علم ہاتھ میں لئے اور مارے گئے۔ آخر مثنیٰ نے علم لیا۔ لیکن اس وقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا۔ اور فوج میں بھاگڑ پڑ چکی تھی۔ غضب یہ ہوا کہ ایک شخص نے بڑھ کر پل کے تختے توڑ دیئے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے۔ لیکن لوگ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پل کی طرف راستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے۔ مثنیٰ نے دوبارہ پل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار اتار دے۔ خود بچی کچی فوج کے ساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دباتے آتے تھے رک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔ اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرار نہایت شاذونادر وقوع میں آیا ہے اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آ بھی گیا تو اس کا عجیب افسوس ناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں کو یہ ذلت نصیب ہوئی وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے۔ اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے۔ اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ لوگ مسلمانوں کی بدقسمتی پر افسوس کرتے تھے۔ اور روتے تھے، جو لوگ مدینہ پہنچ کر گھروں میں روپوش تھے۔ اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس جا کر ان کو تسلی دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تم اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلیٰ فِئَۃٍ میں داخل ہو۔ لیکن ان کو اس سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان ۱۳ ہجری میں واقع ہوا۔ اس لڑائی میں نامور صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے وہ سلیط، ابو زید انصاری، عتبہ و عبداللہ پسران قبطی بن قیس، یزید بن قیس الانصاری، ابو امیہ الفزاری وغیرہ تھے۔

واقعہ بویب رمضان ۱۳ ہجری (۶۳۵ء)

اس شکست نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت برہم کیا۔ اور نہایت زور شور

سے حملہ کی تیاریاں کیں۔ تمام عرب میں خطباء اور نقیب بھیج دیئے جنہوں نے پرجوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگا دی۔ اور ہر طرف سے عرب کے قبائل امنڈ آئے۔ قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا۔ بنو تمیم کے ہزاروں آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لے کر پہنچے' اسی طرح قبیلہ رباب' بنو کنانہ' خثعم' حنظلہ' ضبہ کے بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے' یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ "آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ ان کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جریر بجلی دربار خلافت میں حاضر ہوا' یہ ایک مشہور سردار تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور کی تھی لیکن تعمیل کی نوبت نہیں آئی تھی' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیج دیئے کہ جہاں جہاں اس قبیلے کے آدمی ہوں' تاریخ معین پر اس کے پاس پہنچ جائیں' جریر یہ جمعیت اعظم لے کر مدینہ میں حاضر ہوئے۔

ادھر مثنیٰ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات پر نقیب بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار سوار انتخاب کئے جائیں۔ اور مہران بن مہرویہ ہمدانی افسر مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ اس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اسی وجہ سے وہ عرب کے زور قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا' اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ مہران پایہ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر خیمہ زن ہوا۔ صبح ہوتے ہی فرات اتر کر بڑے سروسامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ مثنیٰ نے نہایت ترتیب سے صف درست کی' فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیئے چنانچہ میمنہ پر مذعور' میسرہ پر نسیر' پیدل پر مسعود کو' الشیر پر عاصم' گشت کی فوج پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو مثنیٰ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک بار چکر لگایا۔ اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا "بہادرو! دیکھنا تمہاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آئے"۔

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج حربہ وہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے۔ اور تیسرے نعرہ پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مثنیٰ نے دوسری تکبیر ابھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش میں آ کر صف سے آگے نکل گئے۔ مثنیٰ نے غصے میں آ کر داڑھی دانتوں میں دبا لی اور پکارے کہ "خدا کے لئے اسلام کو رسوا نہ کرو" اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آ کر جم گیا۔ چوتھی تکبیر کہہ کر مثنیٰ نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اٹھا۔ مثنیٰ نے فوج کو للکارا کہ گھبراؤ نہیں یہ نامردانہ غل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو۔ اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انہوں نے لبیک کہا۔ مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لے کر حملہ کیا اور پہلے حملہ میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مثنیٰ نے للکارا کہ "مسلمانو! کہاں جاتے ہو؟ میں یہ کھڑا ہوں"۔ اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے۔ مثنیٰ نے ان کو سمیٹ کر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔ ان کی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی۔ مثنیٰ نے للکارا کہ "مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پروا نہیں۔ شرفاء یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمہارے علم جھکنے نہ پائیں"۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ "میرے مرنے سے بے دل نہ ہونا"۔

دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اتر کر اس کو گود میں لیا۔ اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کل کا کل برباد ہو گیا۔ شہر براز جو ایک مشہور افسر تھا۔ قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا۔ اور بڑی بہادری سے تیغ بکف لڑ رہا تھا۔ کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان نے اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ میں پکارا۔ "میں تغلب کا نوجوان ہوں اور میں عجم کا قاتل ہوں"۔

---

[1] اخبار الطوال لابی حنیفہ دینوری۔

(طبری بروایت سیف)

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا ادھر گزر ہوا۔ تو انہوں نے جابجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو رعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسریٰ کے اخیر دن آ گئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں۔ اس وقت سو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر ادھر ادھر بھاگ گئے اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا۔ پائے تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "زنانہ حکومت اور آپس کے اختلافات کا یہی نتیجہ تھا" اسی وقت پوران دخت کو تخت سے اتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس کا جوان تھا۔ اور خاندان کسریٰ کا وہی ایک نرینہ یادگار رہ گیا تھا۔ تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست و بازو تھے آپس میں عناد رکھتے تھے درباریوں نے ان سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آ گئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں۔ عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں عجم کا سہارا پا کر وہاں بھی بغاوت پھیل گئی۔ اور تمام مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ۔ اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو طلبی کا حکم بھیج دو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔

اس کے ساتھ خود بڑے ساز و سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی رئیس، صاحب تدبیر، شاعر، خطیب، اہل الرائے ہو فوراً دربار خلافت میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آ چکا تھا۔ خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا۔ سعد بن ابی وقاص

؎ یہ ابو حنیفہ دینوری کی روایت ہے۔ طبری نے اور طرح بیان کی ہے۔

نے تین ہزار آدمی بھیجے جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضرموت و صدف، مذحج، قیس، عیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لے کر آئے۔ مشہور قبیلہ کی تنہا نے یمن کے ہزار، تمیم و رباب کے چار ہزار، بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو۔ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ ہراول پر طلحہ، میمنہ پر زبیر، میسرہ پر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر خلافت کا کاروبار سپرد کئے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے پر کمریں باندھ لیں۔ صرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ وہیں اس سفر کی گویا بنیاد تھی۔ چونکہ امیرالمومنین کا خود معرکہ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ اس لئے صرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی۔ عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیرالمومنین یہ مہم آپ کے بغیر سر نہ ہوگی۔ لیکن بڑے بڑے صحابہ جو معاملات کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں۔ اگر خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو بھی صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر تمام لوگوں کے سامنے تقریر کی۔ اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں۔ الغرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بار گراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا تھا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی مہمات میں مصروف تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی بحث میں تھے کہ دفعتہ عبدالرحمن بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پا لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کون؟ بولے کہ "سعد بن ابی وقاص" رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے رتبے کے صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ ان کی بہادری اور شجاعت بھی مسلم تھی۔ لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی تردد تھا۔

لیکن جب تمام حاضرین نے عبد الرحمن بن عوف کی رائے کی تائید کی چار و ناچار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے لشکر کی تمام مہمات قبضۂ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ احکام بھیجتے رہتے تھے اور ایک کام بھی ان کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینے سے عراق تک کی فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے نامزد کر دی تھیں۔ چنانچہ مؤرخ طبری نے نام بنام ان کی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷، ۱۸ منزلیں طے کر کے ثعلبہ[1] پہنچے اور یہاں مقام کیا۔ ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہاں قیام رہا۔ مثنیٰ موضع ذی قار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے۔ جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰ کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کوفہ پر بڑھیں۔ لیکن جسر کے معرکے میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی صدمے سے انتقال کیا۔ سعد نے ثعلبہ سے چل کر شراف میں ڈیرے ڈالے، یہاں مثنیٰ کے بھائی ان سے آ کر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، سعد سے بیان کئے۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں۔ سعد نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرودگاہ کا ڈھنگ، رسد کی کیفیت ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا۔ جس میں بہت سی ہدایتیں اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری۔ پھر میمنہ و میسرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبد اللہ بن قتادہ	جاہلیت میں ہجر کے بادشاہ تھے رسول اللہ کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔

---

[1] بلاذری نے ثعلبہ اور طبری نے زرود لکھا ہے۔ یہ دونوں مقام آپس میں تقریباً متصل اور بالکل قریب ہیں۔

میمنہ (دایاں حصہ)	عبداللہ بن المعتصم	صحابی تھے
میسرہ (بایاں حصہ)	شرحبیل بن السمط	نوجوان آدمی تھے' مرتدین کی جنگ میں نہایت شہرت حاصل کی تھی۔
ساقہ (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو التمیمی	
طلایہ (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجردہ (بے قاعدہ فوج)	سلمان بن ربیعہ الباہلی	
پیدل	حمال بن مالک الاسدی	
شتر سوار	عبداللہ بن ذی السہمین	
قاضی و خزانچی	عبدالرحمٰن بن ربیعہ الباہلی	
رائد یعنی رسد وغیرہ کا بندوبست کرنے والا[1]	سلمان فارسیؓ	مشہور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے
مترجم	ہلال ہجری	
منشی	زیاد بن ابی سفیان	
طبیب[1]		

امرائے اعشار میں سے ستر وہ صحابہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے' تین سو وہ جو بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے' اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شراف ہی میں تھے کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ (کوفہ سے ۲۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر ہے) میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔

قادسیہ نہایت شاداب' نہروں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرتے تھے اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے چنانچہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان بھیجا اس میں قادسیہ کا موقع اور

---

[1] ان دونوں کا ذکر طبری میں ہے۔ عہدیداروں کے نام نہیں لکھے۔ صرف اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ کے ساتھ طبیب تھے۔

کل بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پہلا تجربہ تھا۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ قادسیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ بھیجو کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی صورت اور حالات لکھ کر بھیجے۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعد شراف سے چل کر عذیب پہنچے۔ یہاں عجمیوں کا میگزین رہا کرتا تھا جو مفت ہاتھ آیا۔ قادسیہ پہنچ کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبریں لائیں۔ انہوں نے آ کر بیان کیا کہ رستم ابن فرخ زاد جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے۔ اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعد نے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص انتخاب کئے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ عطارد بن حاجب، اشعث بن قیس، حارث بن حسان، عاصم بن عمرو، عمرو بن معدی کرب، مغیرہ بن شعبہ، معنی بن حارثہ قد و قامت اور ظاہری رعب و داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن، بسر بن ابی رہم، حملہ بن حویہ، حنظلہ الربیع التمیمی، فرات بن حیان العجلی، عدی بن سہیل، مغیرہ بن زرارہ، عقل و تدبیر اور حزم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پایہ تخت قدیم زمانے میں اصطخر تھا۔ لیکن نوشیروان نے مدائن کو دارالسلطنت قرار دیا تھا۔ اسی وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا۔ یہ مقام سعد کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰ ـ ۴۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سفراء گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزر ہوتا تھا۔ تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچ کر ٹھہرے۔ گرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھے۔ تاہم بیباکی اور دلیری ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی اور تماشائیوں پر اس کا اثر پڑتا تھا۔ گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سفراء آئے ہیں۔ یہ سن کر بڑے سازو سامان سے دربار سجایا اور سفراء کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی قبے پہنے کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لئے موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلے معرکوں نے تمام ایران میں عرب

کی رونق بڑھا دی تھی۔ یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ برد (فارسی کے معنی کے لحاظ سے) کہا "جہاں برد" پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ "سوط" وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ "پارس را سوختند"۔ ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لئے آگے بڑھے، پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کئے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ جزیہ یا تلوار یزدگرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔

اس پر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نہ کر سکے اٹھ کر کہا کہ "یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے) سادات عرب ہیں۔ حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باتیں رہ گئیں۔ ان کو میں بیان کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹ مرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سے ممتاز تھا۔ اول اول ہم نے اس کی مخالفت کی۔ وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے، وہ آگے بڑھتا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی باتوں نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کچھ کرتا تھا، خدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں ہمارے برابر ہیں۔ جن کو اسلام سے انکار ہو، اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جس کو دونوں باتوں سے انکار ہو اس کے لئے تلوار ہے۔" یزدگرد غصے سے بیتاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہہ کر مٹی کا ٹوکرا منگوایا۔ اور کہا کہ تم میں سب سے معزز کون ہے؟ عاصم بن عمرو نے بڑھ کر کہا "میں"۔ ملازموں نے ٹوکرا ان کے سر پر رکھ دیا وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ "فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہم کو دے دی"۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا۔ ساباط میں لشکر لئے پڑا تھا اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے۔ اور رسد کے لئے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اس عرصہ میں بعض رئیس اُدھر سے ادھر آ گئے۔ ان میں جوشن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اس حالت نے طول کھینچا تو رعایا جوق در جوق یزدگرد کے پاس پہنچ کر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چار و ناچار رستم کو مقابلے کے لئے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پی کر بدمستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب تباہی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جس دن ساباط سے بڑھیں سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دئے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کشی کی ترتیب، ارادے کا رخ، ان باتوں کے دریافت کے لئے فوجی افسر متعین کئے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ طلیحہ ایک دفعہ رات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکائی۔ اس عرصہ میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اس نے قریب پہنچ کر برچھی کا وار کیا۔ انہوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انہوں نے جھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اس کے ساتھ دو سوار تھے ان میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے میں تمام فوج میں ہل چل پڑ گئی اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلیحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے سعد کے سامنے اسلام قبول کیا۔ اور کہا کہ دونوں سوار جو طلیحہ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ میرے ابن عم تھے۔ اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اس کی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت

قدمی اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا' ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے سعد نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب و غریب ہیئت سے چلے عرق گیری کی زرہ پہنی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چیتھڑے لپیٹ لئے۔ اس ہیئت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے ادھر ایرانیوں نے بڑے ساز و سامان سے دربار سجایا' دیبا کا فرش زریں گاؤ تکئے' حریر کے پردے' صدر میں مرصع تخت' ربعی فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اترے۔ اور باگ ڈور کو گاؤ تکئے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتھیار رکھوا لینا چاہا۔ انہوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں الٹا پھر جاتا ہوں درباریوں نے رستم سے عرض کی اس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا۔ اس کی انی کو اس طرح فرش میں چبھوتے جاتے تھے کہ پر تکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے۔ تخت کے قریب پہنچ کر زمین پر نیزہ مارا' جو فرش کو آر پار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ "اس لئے کہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے" رستم نے کہا میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار ربعی کے پاس آ کر ان کے ہتھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی کوند گئی۔ اور جب اس کی کاٹ کی آزمائش کے لئے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربعی نے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ ربعی اس وقت چلے آئے لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔

اخیر سفارت میں مغیرہ گئے۔ اس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاج پہن کر کرسیوں پر بیٹھے خیمے میں دیبا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا۔ اور خدام اور منصب دار قرینے سے دو رویہ پرے جما کر کھڑے ہوئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا۔ یہاں تک کہ چوبداروں نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اتار دیا۔ مغیرہ نے افسران دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں خود نہیں آیا بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اس لئے

مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں۔ مترجم جس کا نام عبود تھا حیرہ کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض لوگ بول اٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔ رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ "یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا" پھر بے تکلفی کے طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لے کر کہا کہ "ان تکلوں سے کیا ہو گا؟" مغیرہ نے کہا کہ "آگ کی لو گو چھوٹی ہے پھر بھی آگ ہے"۔ رستم نے ان کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا "کس قدر بوسیدہ ہے"۔ انہوں نے کہا کہ "ہاں لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے"۔ اس نوک جھونک کے بعد معاملے کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں، بلکہ کچھ انعام دلا دیا جائے گا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ "اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہو گا"۔ رستم غصہ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ "آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔" مغیرہ اٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قادسیہ[لہ] کی جنگ اور فتح

محرم ۱۴ھ ہجری (۶۳۵ء)

رستم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اس کو اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بندی کا حکم دیا۔ نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنا دی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آ گئی۔ خود سامان جنگ سے آراستہ ہوا۔ دوہری زرہیں پہنیں۔ سر پر خود رکھا۔ ہتھیار لگائے پھر اسپ خاصہ طلب کیا۔ اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ "کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا"۔ کسی سپاہی نے کہا "ہاں اگر خدا نے چاہا"۔ بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی"۔

فوج کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا۔ آگے پیچھے صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا۔ ہودجوں اور عماریوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے

[لہ] قادسیہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا اور دریا کی سمت کے ساحل پر قالب ویران پڑا ہوا ہے۔ ہمارے نقشے میں اس کو شہر حیرہ کے متصل سمجھنا چاہئے۔

قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے تیر برسانے کے لئے موقع جنگ سے پایۂ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیئے جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا۔ اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو ٹھیک میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عرق النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے اس لئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے بالا خانے پر میدان کی طرف رخ کر کے تکیے کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرفطہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم وہ مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھوا کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں شماخ، حطیئہ، اوس بن مغراء، عبدۃ بن الطبیب، عمرو بن معدی کرب اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرۃ، غالب بن ہذیل الاسدی، بسر بن ابی رہم الجہنی، عاصم بن عمرو، ربیع سعدی، ربعی بن عامر میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ عالم تھا کہ ان پر گویا جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض فقرے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

ابن الہذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے

یامعاشر معد اجعلوا حصونکم السیف وکونوا علیهم کالاسود
الاجم وادرعوا العجاج الابصروا اذا کلت السیوف
فارسلوا الجنادل فانها یوذن لها فیما لا یوذن للحدید

"خاندان معد! تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر بن کر جاؤ۔ گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی رکھو۔ جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بار مل جاتا ہے تلواروں کو نہیں ملتا۔"

اس کے ساتھ تمام قاریوں نے میدان میں نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورۂ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں جس سے تمام دل ہل گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوئی۔ سب

سے پہلے ایک ایرانی قدر انداز زیبا کی قبا زیب بدن کئے ، زریں کمربند لگائے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں آیا۔ ادھر سے عمرو بن معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اس نے تیر کمان میں جوڑ کر ایسا تاک کر لگایا کہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو دبایا اور قریب پہنچ کر کمر میں ہاتھ ڈال کر معلق اٹھا زمین پر دے پٹکا۔ اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔" لوگوں نے کہا "ہر شخص معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر جو سب میں ممتاز تھا، ہاتھیوں کو ریلا۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے۔ دفعتہً بدک کر منتشر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی۔ لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے تھے۔ سعد نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو۔ طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے ساتھیوں سے کہا "عزیزو! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔" تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ان کی پامردی سے اگرچہ یہ بلا کسی قدر تھم گئی۔ لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ تمیم کو جو تیر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ "تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی؟" یہ سن کر وہ دفعتہً بڑھے اور اس قدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور عماریاں الٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

سعد جس وقت بالاخانہ پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے ان کی بی بی سلمیٰ بھی ان کے برابر بیٹھی تھیں۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔ سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھیں کہ "افسوس! آج مثنیٰ نہ ہوا۔" سعد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ "مثنیٰ ہوتا تو کیا کر لیتا۔" سلمیٰ نے کہا "سبحان اللہ! بزدلی کے ساتھ غیرت بھی۔" یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولوں کی

لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالے کئے پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا۔ گرد چھٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آ پہنچیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زمانے میں ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اس کو حکم دو کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج سے جا کر مل جائے چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے۔ جن میں پانچ ہزار ربیعہ و مضر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ سعدؓ کے بھائی سپہ سالار تھے اور ہراول قعقاع کی رکاب میں تھا، قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ ادھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اٹھے کہ "ابو عبید کا قاتل جانے نہ پائے" دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے اور تھوڑی دیر کی رد و بدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ بزاز، اعراف بن ثعلب کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا۔ قعقاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھو دیئے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔ شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیئے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دور سے نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا۔ اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے ہاتھیوں کے لئے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیب بنایا، یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک، ربیل بن عمرو، طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمرو تمیمی کو تلواریں حوالے کیں اور

قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے۔ رتیل نے فخر کے جوش میں آکر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علم الاقوام انا احقہم ۔ اذا احصنوا بالمرہفات البواتر

"سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں ہلائیں"

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر شاعر تھے اور جن کو شراب پینے کے جرم میں سعد نے قید کر دیا تھا۔ قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوتے جاتے تھے آخر ضبط نہ کر سکے سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لئے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا ۔ واترک مشدودا علی وثاقیا

"اس سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا ہوں"

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت ۔ مصاریع من دونی تصم المنادیا

"جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی اور دروازے اس طرح بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے"

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آکر بیڑیاں کاٹ دیں انہوں نے فوراً اصطبل میں جا کر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا اور میدان جنگ پہنچ کر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف الٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ کون بہادر ہے۔

سعد بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو محجن کا ہے لیکن وہ قید خانے میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے آکر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کئے۔ سعد نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا "خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں فدا ہوتا ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا"۔

ابو محجن نے کہا "خدا! میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

(کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۸)

خنساء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی اس معرکے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی ساتھ تھے لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لم تنب بکم البلاد ولم تقحمکم السنة ثم جئتم بامکم
عجوز کبیرة فوضعتموها بین ایدی اهل فارس واللہ انکم
لبنو رجل واحد کما انکم بنو امرأة واحدة ما خنت اباکم ولا
فضحت خالکم انطلقوا فاشهدوا اول القتال وآخره۔

"پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا تو جاؤ! آخر تک لڑو۔"

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو خنساء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "خدایا میرے بیٹوں کو بچانا"۔

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معرکہ غواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم اعماس کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوج کو حکم دیا کہ چپکے سے دور شام کی طرف نکل جائیں۔ صبح ہوتے سو سو سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں، اور اسی طرح برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے تکبیر کا نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آ گئیں۔ ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق سے یہ کہ ہاشم بن عتبہ کو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لئے بھیجا تھا، عین موقع پر سات سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے تھے کہ شام کی خبریں پہنچی تھیں ورنہ ادھر فوجیں بھیجی جاتیں۔ ہاشم نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا ہے اور فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہو گا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ

۱؎ خنساء کے واقعات نہایت دلچسپ ہیں اور [illegible] ان کے مفصل حالات طبری [illegible] اغانی میں لکھے ہیں۔ [illegible]
[illegible]
تمام عرب [illegible]

ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آیا۔ اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اس کے مقابلے سے جی چراتے تھے۔ لیکن عجیب اتفاق ہے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھوں سے مارا گیا، ایرانیوں نے تجربہ اٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دیں تھیں۔ عمرو معدی کرب نے رفیقوں سے کہا میں مقابل ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں، تم ساتھ رہنا، ورنہ عمرو معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہو گا" یہ کہہ کر تلوار میان سے گھسیٹ لی۔ اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعتاً ان پر ٹوٹ پڑیں اور اس قدر گرد اٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے یہ دیکھ کر ان کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معارکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا، بدن پر جابجا برچھیوں کے زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضے میں تھی۔ اور ہاتھ چلتا جاتا تھا، اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا، انہوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے ہل نہ سکا، آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا۔ اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہیں دل کا دل پھٹ جاتا ہے۔ ضخم و سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے انہوں نے کہا کہ ان کی سونڈ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا، سعد نے قعقاع، عاصم، حمال، ربیل کو بلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیے کہ ہاتھیوں کو نرغہ میں کر لیں۔ پھر خود برچھا ہاتھ میں لے کر سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے ہاتھی جھرجھری لے کر پیچھے ہٹا، ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہو گئی۔ ادھر ربیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لئے اور دم کے دم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس قدر کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکہ کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی قلب میں اور دائیں بائیں تہ بہ تہ صفیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا۔ اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ ان کے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعد رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کئے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور اپنی رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصولوں کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے بے اختیار نکلا **اللھم اغفرلہ وانصرہ** "الٰہی اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا"۔ قعقاع کو دیکھ کر بنو سعد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع بجیلہ کندہ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدایا اس کو معاف کرنا اور یاور رہنا۔ اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں۔ اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ ہمدان نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں زرہوں پر اچٹ اچٹ کر رہ گئیں۔ سرداران قبیلہ نے للکارا۔ سب نے کہا زرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اس نے غصے میں آکر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا کہ کمر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالے کا رسالہ بیکار ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے۔ اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اس پر بھی جب فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع نے سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کئے اور سپہ سالار فوج (رستم) کی طرف رخ کیا۔ ساتھ ہی قیس، اشعث، عمرو معدی کرب، ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھو یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں۔ اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ سی لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں کھینچ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور فیرزان و ہرمزان کو ہٹاتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئے۔ رستم تخت پر بیٹھ کر فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔ ہلال نامی ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے آگئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ساتھ ہی ہلال بھی کود پڑے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔

ہلال نے رستم کی لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی۔ اور تخت پر چڑھ کر پکارا کہ "رستم کو میں نے قتل کر دیا۔" ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا، تمام فوج میں بھگدڑ پڑ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعرا نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

برآمد خروشنده گرز دار و تیر
نهیب سپه رستم زکلونی سعد
پدیدار شد رستم بچوگان تیغ و گشت
عنان سعد تازی بند تیغ گرفت

ہمارے نئے مؤرخوں کا مسلمہ بیان ہے۔ اس واقعہ پر بہت ہے۔ ایرانیوں کی شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو بہادری کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے۔ ان میں شہریار، ابن الہربذ، فرخان اہوازی، خسرو شنوم ہمدانی نے مردانہ وار جان دی۔ لیکن ہرمزان، اہوذ، قارن موقع پا کر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے مقتولوں کا تو شمار نہ تھا۔ مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔ اس فتح میں چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے، فوج کو ان کی طرف سے بدگمانی رہی یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وقاتلت حتی انزل اللّٰہ نصرہٗ ۔۔۔ وسعد بباب القادسیۃ معصم

"ہم برابر لڑا کیے یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی، لیکن سعد قادسیہ کے دروازے ہی میں پڑے رہے۔"

فابنا وقد امت نساء کثیرۃ ۔۔۔ ونسوۃ سعد لیس فیھن ایم

"ہم واپس پھرے تو بہت سی عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں، لیکن سعد کی بیویاں بیوہ نہیں ہوئی تھیں۔"

یہ اشعار اس وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے لوگوں کے سامنے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینہ سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ [illegible]
[illegible]

دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے اور ادھر سے ایک شتر سوار آ رہا تھا۔ بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مژدۂ فتح لے کر آیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کئے۔ اس نے کہا کہ خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا جو شخص آتا ہے ان کو امیر المومنین کے لقب سے پکارتا ہے ڈر سے کانپ اٹھا۔ اور کہا کہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔ فرمایا "نہیں کچھ حرج نہیں۔ تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو۔ چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے۔ مدینے پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی۔ اور ایک نہایت پر اثر تقریر کی جس کا اخیر فقرہ یہ تھا۔ "مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا۔ اب اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر یہ میری خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن باتوں سے نہیں عمل سے۔"

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم کے عرب مسلمانوں سے لڑے تھے ان میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں پکڑے آئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی۔ سعد نے دربار خلافت کو لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو جمع کر کے رائے لی۔ اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آ کر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کر لیں۔

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لئے تھے اور فیروزان کو حاکم قرار دیا تھا۔ سعد نے ان کے استیصال کے لئے ۱۵ ہجری میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بصبہری سے مقابلہ ہوا اور میدان جنگ میں زخم کھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا صلح کر لی۔ اور بابل تک موقع بموقع پل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نخیرجان، ہرمزان، مہران، مہرجان وغیرہ جمع تھے۔ لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ سعد نے خود بابل میں مقام کیا اور زہرہ کی افسری میں فوجیں آگے

روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثیٰ میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا۔ زہرہ ہراول سے جب گذرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدان جنگ میں آ کر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن جب تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو آ جائے گا۔ یہ کہہ کر نائل کو جو قبیلہ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار دیو کا سا تن و توش رکھتا تھا۔ نائل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک کر گردن میں ہاتھ ڈال کر زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نائل کے منہ میں آ گیا۔ نائل نے اس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا۔ نائل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ نائل نے زرہ وغیرہ اس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دیئے۔ سعد نے عبرت کے لئے حکم دیا نائل وہی لباس اور اسلحہ سجا کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر جب مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوثیٰ ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید رکھا تھا۔ چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر آیت پڑھی۔ **تلک الایام نداولها بین الناس** کوثیٰ سے آگے پایۂ تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا۔ یہاں ایک شکاری رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ "جب تک ہم ہیں سلطنت فارس پر کبھی زوال نہیں آ سکتا"۔ یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ کا بہت چلا ہوا تھا۔ اور اسی لئے اس جگہ کو بہرہ شیر کہتے تھے۔ سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے ادھر ادھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے۔ شیرزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا۔ سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں۔ ان کے قید کرنے سے کیا حاصل چنانچہ سعد نے ان کے نام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا۔ لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برساتے ہوئے آگے۔ مسلمانوں نے برابر

کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے ان کی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل کر نئی پہن لیجئے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر انہی کو آ کر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک زندہ بھی ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا۔ تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بنے تھے توڑ کر بیکار کر دیئے تھے۔ سعد دجلہ کے کنارے پہنچے تو نہ پل تھا نہ کشتی۔ فوج سے مخاطب ہو کر کہا "برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے"۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی۔ اور دفعتہً سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا اگرچہ نہایت زخار اور مواج تھا لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آ آ کر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے، یہاں تک کہ یمین و یسار کی جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشہ دیکھ رہے تھے جب فوج کنارے کے قریب آ گئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں۔ چنانچہ "[1]دیوان آمدند دیوان آمدند" کہتے ہوئے بھاگے۔ تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ پر تیراندازوں کے دستے متعین کر دیئے۔ ایک گروہ دریا میں اتر کر سد راہ ہوا۔ لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیراندازوں کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی۔ اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں۔ **کم ترکوا من جنت و عیون و زروع و مقام کریم و نعمۃ کانوا فیھا فکھین کذلک و اورثنھا قوما اخرین۔**

ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہاء کو تعجب ہوگا کہ سعد نے باوجود

---

[1] تاریخ طبری میں بعینہٖ یہی الفاظ ہیں۔

یہ کہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جناب رسالت مآب کی صحبت میں رہے تھے عالمگیر ومحمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں جس قدر مجسم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں۔

(علامہ طبری نے جو خود بڑے محدث بھی تھے تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے)

دو تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ ایوان شاہی کا خزانہ اور نادرات لا کر یکجا کیے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لے کر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزارہا یادگاریں تھیں۔ خاقان چین، راجہ داہر، قیصر روم، نعمان بن منذر، سیاوش، بہرام چوبیں کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ ہرمز اور کیقباد کے خنجر تھے۔ نوشیرواں کا تاج زرنگار، اور ملبوس شاہی تھا، سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا، اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے، ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا، جس کو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار ہوا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان مہیا کیے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول پھل تھے۔ طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبزہ، پکھراج کی جدولیں، سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے، جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارت گری میں ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اہل فوج ایسے راست باز اور دیانتدار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لا کر افسر کے پاس حاضر کر دی۔ چنانچہ جب سب سامان لا کر سجایا گیا اور دور دور تک میدان جگمگا اٹھا تو خود سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا، بے شبہ انتہاء کے دیانتدار ہیں۔

مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا، فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغناء پر حیرت ہوئی۔

محلم نام کا مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات اس کو لا کر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جدا، دربار کا جدا، جشن کا جدا، تہنیت کا جدا، چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی منشا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آگئی اور دولت نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف دنیوی کی عزت نہیں کی جاتی تھی۔ ان بیہودہ یادگاروں کی کیا پروا کر سکتا تھا۔

جلولاء[1] ۱۶ ہجری (۶۳۷ء)

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سر لشکر تھا۔ نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور راستوں اور گزرگاہوں پر گوکھرو بچھا دیئے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جائیں اور مقدمۃ الجیش پر قعقاع، میمنہ پر مسعر بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک، ساقہ پر عمرو بن مرہ مقرر ہوں، ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے روز جلولاء پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے، اس طرح اسی (۸۰) معرکے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی۔ تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی۔ بیدل نہیں ہوتے تھے ایک دن بڑے زور شور سے نکلے مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتاً اس زور کی آندھی چلی کہ تمام آسمان میں اندھیرا ہو گیا۔ ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا خندق کو

---

[1] جلولا بغداد کے سواد میں ایک شہر ہے جو سب پھوٹے ہونے کے قصبے میں مشہور ہے بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ میں پڑتا ہے۔ گوکھرو ایک کانٹا ہے جو سہ گوشہ ہوتا ہے (پنجابی) گوکھرو لوہے کے بنے ہوتے تھے جو دشمن کی راہوں میں ڈال دیئے جاتے تھے۔ (فیروز لغات از ادارہ الفاروق کامی)

بات کر راستہ بتایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملہ کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رخ گوکھرو بچھوا دیئے اور فوج کو سازو سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جما دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اول تیروں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنبھالے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا۔ قعقاع نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ انہیں کی رکاب میں تھا۔ قعقاع نے نقیبوں سے کہلوا دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ فوج نے قعقاع کو ہاشم سمجھا اور دفعتہً ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے تھے گوکھرو بچھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی بیان سے مارے گئے اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مژدۂ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مژدۂ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع میں بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام ہوا اور انہوں نے اس فصاحت اور بلاغت سے تمام واقعات بیان کئے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ خطیب اس کو کہتے ہیں۔ انہوں نے برجستہ کہا۔

ان جندنا اطلقونا بالفعال لساننا

اس کے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اس وقت شام ہو چکی تھی اسی لئے تقسیم ملتوی رکھی اور صحن مسجد میں ان کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گئی۔ درہم و دینار کے علاوہ انبار جواہرات تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ساختہ رو پڑے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے۔

یزدگرد کو جلولاء کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان چھوڑ کر رے کو روانہ ہوا اور خسرو شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لئے چھوڑ آیا۔ سعد خود

بلولا میں ٹھہرے اور قعقاع کو حلوان کی طرف روانہ کیا۔ قعقاع قصر شیریں (حلوان سے تین میل پر ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شنوم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قعقاع نے حلوان پہنچ کر مقام کیا۔ اور ہر طرف امن کی منادی کرادی۔ اطراف کے رئیس آ آ کر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آغاز ۱۳ھ ہجری (۶۳۴ء) میں شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کی۔ ابوعبیدہ کو حمص پر، یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرجیل کو اردن پر، عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۳۰۰۰۰ ہزار تھی۔ عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلے پر بھیجیں۔ یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اس پر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں۔ اس کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کی جائیں۔ چنانچہ خالد بن ولید جو عراق کی مہم پر مامور تھے عراق سے چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے دمشق پہنچے اور اس کو صدر مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا۔ قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لئے روانہ کی جس نے اجنادین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ خالد اور ابوعبیدہ خود پیش قدمی کر کے اجنادین پر بڑھے اور افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آکر مل جائیں۔ چنانچہ شرجیل، یزید، عمرو بن العاص وقت مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جس میں تین ہزار مسلمان مارے گئے فتح کامل حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت ابن اسحاق ۲۸ جمادی الاولی ۱۳ھ ہجری (۶۳۴ء) میں واقع ہوا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر دمشق کا رخ کیا۔ اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں شروع ہوا چونکہ فتح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں حاصل ہوئی۔ اس لئے ہم اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر یہاں آیا جایا کرتے تھے اس کی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ اس وجہ سے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کیے شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص باب توما پر، شرحبیل باب الفرادیس پر، ابوعبیدہ باب الجابیہ پر متعین ہوئے اور خود خالد نے پانچ ہزار فوج ساتھ لے کر باب الشرقی کے قریب ڈیرے ڈالے۔ محاصرہ کی سختی دیکھ کر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کے جاسوس جو دریافت حال کے لئے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے آکر کہتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہوا ہے۔ ہر ہر فرد میں دلیری، ثابت قدمی، راستبازی، عزم اور استقلال پایا جاتا ہے۔ تاہم ان کو یہ سہارا تھا کہ ہرقل حمص میں موجود ہے اور حمص سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں اسی اثناء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کو برداشت نہیں کر سکتے اس لئے موسم سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھٹ جائے گا۔ لیکن ان کی دونوں امیدیں بیکار گئیں۔ مسلمانوں کی سرگرمی جاڑوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ ادھر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوالکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے مدد نہ آنے پائے۔ چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجی تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل یاس ہو گئی اسی اثناء میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام دے گیا۔ یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلسے کئے اور کثرت سے شرابیں پی کر شام سے پڑ کر سو رہے۔ خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے۔ اس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آسکتا تھا...... اسی وقت اٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے گرد خندق پانی سے لبریز تھی۔ مشک کے سہارے پار اترے اور کمند کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے اور جا کر رسی کی سیڑھی کمند سے اٹکا کر نیچے لٹکا دی۔ اور اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جانباز فصیل پر پہنچ گئے۔ خالد نے اتر کر پہلے دربانوں کو تہ تیغ کیا۔ پھر قفل توڑ کر

۱؎ یہ طبری کی روایت ہے بلاذری کا بیان ہے کہ خالد کو عیسائیوں کے جشن کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور سیڑھی بھی عیسائی لائے تھے

دروازے کھول دیئے۔ ادھر فوج پہلے سے تیار تھی۔ دروازے کھلنے کے ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی اور پہرہ کی فوج کو تہ تیغ کر دیا۔ عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر پناہ کے تمام دروازے کھول دیئے اور ابوعبیدہ سے ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچایئے۔ مقسلاط میں جو گھیوں کا بازار تھا ابوعبیدہ اور خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کر لیا تھا اگرچہ بزور فتح کیا تھا لیکن ابوعبیدہ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں۔ یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی نہ کوئی شخص لونڈی غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلاد شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی رجب ۱۴ ہجری (۶۳۵ء) میں ہوئی۔

فحل ذوقعدہ ۱۴ ہجری (۶۳۵ء)

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کر دیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا اس لئے انہوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شکستہ ہرقل نے دمشق کی مدد کے لئے جو فوجیں بھیجی تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں وہ بھی اس میں آ کر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع ہو گیا۔ جس کا سپہ سالار سکار نامی ایک رومی افسر تھا۔

موقع جنگ سمجھنے کے لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے دمشق، حمص، اردن، فلسطین مشہور اضلاع ہیں۔ اردن کا صدر مقام طبریہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے مشرقی جانب بارہ میل لمبی ایک جھیل ہے جو قریب چھ میل چوڑی ہے [illegible] ہے۔ تاہم اس کے قریب کچھ فاصلہ اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں ہر طرف سے بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے اس خوف سے کہ مسلمان دفعتہً آ پڑیں آس پاس جس قدر نہریں تھیں سب کے بند توڑ دیئے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابوعبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بن کر آئے۔ ابوعبیدہ نے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ معاذ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں

دیباے زریں کا فرش بچھا ہے وہیں ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آ کر کہا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں آپ دربار میں جا کر بیٹھئے۔ معاذ کی بزرگی اور تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے واقف تھے، اس لئے وہ واقعی ان کی عزت کرنی چاہتے تھے اور ان کا باہر کھڑا رہنا ان کو گراں گزرتا تھا۔ معاذ نے کہا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنا چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے۔ معاذ کو غصہ آیا۔ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ جس کو تم عزت سمجھتے ہو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟ رومی ان کی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے، یہاں تک ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھ کر ہے؟ انہوں نے کہا کہ "معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہ ہوں۔" رومی چپ ہو گئے۔ معاذ نے کچھ دیر انتظار کر کے مترجم سے کہا کہ "ان سے کہہ دو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ نہیں کہنا ہے تو میں واپس جاتا ہوں۔" رومیوں نے کہا "ہم کو یہ پوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے ہو۔ ابی سینا کا ملک تم سے قریب ہے فارس کا بادشاہ مر چکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے ان کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رخ کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں۔" معاذ نے کہا کہ سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ ہمارے کعبہ کی طرف نماز پڑھو، شراب پینا چھوڑ دو، سور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو قلت اور کثرت کی پروا نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کہ كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو درے لگائے جائیں، چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں، وہ پردے میں نہیں بیٹھتا اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال و دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں۔" رومیوں نے کہا "اچھا ہم تم کو بلقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ۔" معاذ نے انکار کیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ رومیوں نے براہ راست ابو عبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی۔

چنانچہ اسی غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا ابوعبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جن کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و حشم رکھتا ہو گا اور یہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہو گا۔ لیکن وہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟

ابوعبیدہ نے کہا! "ہاں" قاصد نے کہا ہم تمہاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ قاصد برہم ہو کر اٹھا۔ ابوعبیدہ نے اس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمربندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب مناسب لکھا اور "حوصلہ دلایا کہ ثابت قدم رہو خدا تمہارا یاور اور مددگار ہے"۔

ابوعبیدہ نے اسی دن کمربندی کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے۔ اگلے دن تنہا خالد میدان میں گئے صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا۔ رومیوں نے بھی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری میدان میں بھیجے، پہلا دستہ خالد کی طرف بائیں اٹھائے چلا آتا تھا کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر ان کا آگا روکا اور سخت کشت و خون ہوا۔ یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالد نے میسرۃ بن مسروق کو اشارہ کیا وہ اپنی رکاب کی فوج کو لے کر مقابل ہوئے، تیسرا لشکر بڑے ساز و سامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار اس کا سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا۔ قریب پہنچ کر خود ٹھہر گیا۔ اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلے پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا۔ آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی آکر مل گئیں۔ دیر تک معرکہ رہا۔ مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا اور الٹا پھرنا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو للکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے ہیں۔ اب ہماری باری ہے۔ اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتاً ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دباتے چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے۔ خالد ان کی یہ چال سمجھ گئے اور ابوعبیدہ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے۔ چنانچہ اسی وقت

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری میں ہے کہ وہ خط ایک شامی نے پڑھا اور حضرت کی ترغیب سے مسلمان ہو گیا۔

نقیب فوج میں جا کر پکار دے کہ کل حملہ ہوگا، فوج ساز و سامان سے تیار رہے۔ رات کے پچھلے پہر ابوعبیدہ بستر خواب سے اٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا، ہاشم بن عتبہ کو میسرہ کی افسری ملی۔ پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں دیے گئے۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سرے سے اس سرے تک کا ایک چکر لگایا۔ ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے

عباد اللّٰہ استوجبوا من اللّٰہ النصر بالصبر فان اللّٰہ مع الصّٰبرین

"یعنی خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے"۔

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو تیر انداز تھے اور میسرہ پر سواروں کے رسالے تھے پیادہ فوجیں اس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ خالد چونکہ ہراول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا رومی تیر اندازوں نے تیروں کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر سے پہلو دے کر میمنہ کی طرف جھکے چونکہ اس میں سواری سوار تھے تیر انداز نہ تھے رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا۔ خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افسران کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ادھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے علم ہلا کر کہا "خدا کی قسم جب تک اس قلب میں پہنچ کر نہ گاڑ دوں گا پھر کر نہ آؤں گا" یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آ گئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی۔ اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ ابوعبیدہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

۔ واقعہ فحل کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لی گئی ہے۔ فتوح میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقدی کی روایت میں بھی اتفاق ہے۔

جواب میں لکھا کہ "رعایا ذمی قرار دی جائے اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے"۔

اس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لی جائے گی۔

حمص ۱۴ ہجری (۶۳۵ء)

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اس کو ایمیسا کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اس کی شہرت زیادہ اس وجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا جس کے حج کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے اور اس کا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا۔ حمص ان دونوں کی بہ نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا۔ اس لئے لشکر اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا۔ راہ میں بعلبک پڑتا تھا وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ حمص کے قریب رومیوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ فوجیں حمص سے نکل کر جوسیہ میں مسلمانوں کے مقابل ہوئیں لیکن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ خالد نے میسرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ میں رومیوں کی چھوٹی چھوٹی فوجوں سے جو ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں مڈ بھیڑ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شرحبیل حمیری نے اکیلے سات سواروں کو قتل کیا۔ وہ فوج سے الگ ہو کر بے دھڑک حمص کی طرف بڑھتے گئے۔ شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے ان کو تنہا دیکھ کر حملہ کیا۔ انہوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے ہاتھ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا جا کر پناہ لی۔ یہ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت اکٹھی موجود تھی۔ یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور رومیوں اور راہبوں کی برچھیاں کھا کر شہادت حاصل کی۔ میسرہ کے بعد خالد اور ابو عبیدہ نے بھی حمص کا رخ کیا اور محاصرے کے سامان پھیلا دیئے۔ چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی اور رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ ٹک سکیں

تھے۔ ان کے ساتھ ہرقل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد امدادی فوج بھیجی جاتی ہے چنانچہ اس وعدہ کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ ہوئی۔ لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے، یہ خبر سن کر کچھ فوجیں بھیج دیں۔ جس نے ان کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔ حمص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابوعبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف روانہ ہوگئے۔ حماۃ والوں نے ان کے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر شیزر اور شیزر سے معرۃ النعمان پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی۔ ان سے فارغ ہو کر لاذقیہ کا رخ کیا۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ فنیشین عہد میں اس کو لاوٹا کہتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلہ پر مقام کیا اور اس کی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی۔ یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور یہ سب چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آگئے تھے اور ان کا تمام کاروبار بند تھا۔ اس کو تائید غیبی خیال کیا۔ اور شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمان اسی رات کو واپس آکر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر دفعتہ حملہ کیا۔ اور دم میں شہر فتح ہو گیا۔ حمص کی فتح کے بعد ابوعبیدہ نے خاص ہرقل کے پایۂ تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج بھی دیں۔ لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلا لی گئیں۔ اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور نائب بھیج دیے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود حمص میں اقامت کی۔

یرموک ۵؍ رجب ۱۵؍ ہجری (۶۳۶ء)

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے انطاکیہ پہنچے ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ "عرب تم سے زور میں، جمعیت میں، سازو سامان میں کم

۱ کامل ابن الاثیر۔ [illegible]

ہیں پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے" اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے آپس میں ایک سے ایک برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے، اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر در حقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق در جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شاہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم قسطنطنیہ، جزیرہ، آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پایۂ تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کئے جائیں۔ ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقامات فتح کئے تھے وہاں کے امراء اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود تخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے چنانچہ ان کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا۔ اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ پر پورے اترے چنانچہ اس کے صلہ میں خدا نے ہمیشہ تم کو منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اس ساز و سامان سے تمہارے مقابلہ کے لئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان (معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ "میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں۔ اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں۔ اس کے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں" شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہئے یزید نے جو رائے دی بلاشبہ خیر خواہی سے دی ہے لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ

کر قیصر کے حوالے کر دیں۔ خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں۔ شرجیل نے اٹھ کر کہا اے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اسی شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں۔ اس لئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ خراج لیا جاتا ہے اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دے دو اور ان سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے واپس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا توراۃ کی قسم! جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر شہرپناہ کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔ ابو عبیدہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔ (ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان صفحہ ۱۳۷ میں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں صفحہ ۸۰ ازدی نے فتوح الشام صفحہ ۱۳۸ میں تفصیل سے لکھا ہے)

غرض ابو عبیدہ دمشق کو روانہ ہوئے اور ان تمام حالات سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حمص چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسران نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہوگا۔ ابو عبیدہ کو جواب لکھا کہ میں مدد کے لئے سعد بن ابی عامر کو بھیجتا ہوں۔ لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو

---

[1] یہ تمام تفصیلی واقعات فتوح الشام ازدی سے لئے گئے ہیں۔ ابو عبیدہ کا حمص سے دمشق چلا جانا طبری اور اکثر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے۔

جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ، معاذ بن جبل سب نے مختلف رائیں دیں۔ اسی اثنا میں عمرو بن العاص کا قاصد خط لے کر پہنچا جس کا یہ مضمون تھا کہ "اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے"۔ ابوعبیدہ نے جواب میں لکھا کہ حمص کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جو جا بجا پھیلی ہوئی ہیں یکجا ہو جائیں۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہلو میں وہیں آ کر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابوعبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچ کر قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آ کر ملے۔ یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لئے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی۔ اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ ادھر رومیوں کی آمد اور ان کے سامان کا حال سن سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابوعبیدہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا۔ اور لکھا کہ "رومی بحر و بر سے ابل پڑے ہیں۔ اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گذرتی ہے، راہب اور خانقاہ نشین جنہوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں"۔ خط پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا۔ تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ "امیر المومنین! خدا کے لئے ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر فدا ہو جائیں۔ خدانخواستہ ان کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے"۔ مہاجرین و انصار کا جوش بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ "امیر المومنین! تو خود سپہ سالار بن اور ہم کو ساتھ لے کر چل"۔ لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ اور امدادی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاصد سے دریافت کیا کہ "دشمن کہاں تک آ گئے ہیں؟" اس نے کہا کہ "یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ "افسوس اب کیا ہو سکتا ہے! اتنے عرصہ میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے"۔ ابوعبیدہ کے نام نہایت پر تاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا

اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط پڑھنا اور زبانی کہنا۔

الا عن قریب تاتیک السلام و یحول لکم یا اہل الاسلام امداد و الفقا
وتشد و علیہم شد اللیوث ولیکونوا اھون علیکم من الفرقا
قد کنا علمنا انکم علیہم منصورون۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس رات قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا۔ اسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی اور انہوں نے نہایت استقلال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں، رومی فوجیں یرموک کے مقابل دیر الجبل میں اتریں، خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبے کے صحابی تھے، میمنہ پر مقرر کیا۔ قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی، اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کئے، ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پر قیس بن ہبیرہ، میسرہ بن مسروق، عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا۔ یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے۔ اور اسی وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے۔ رومی بھی بڑے سروسامان سے نکلے دو لاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی۔ اور ۲۴ صفیں تھیں، جن کے آگے آگے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لئے جوش دلاتے جاتے تھے۔ فوجیں بالکل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور کہا کہ میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا۔ وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

سائل نساء الحی فی حجالہا   الست یوم الحرب من ابطالہا

"پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں کرتا۔"

قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتھیار بھی نہیں سنبھال سکا تھا کہ ان کا وار چل گیا تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا خالد نے کہا "شگون اچھا ہوا اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہے۔" عیسائیوں نے خالد کے ہمرکاب افسروں کے مقابلے میں جدا جدا فوجیں متعین کی تھیں۔ لیکن سب نے شکست کھائی اس دن شام تک نوبت پہنچ کر لڑائی ملتوی ہو گئی۔

رات کو باہان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑ چکا ہے بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ "کسی معزز افسر کو ہمارے پاس

بھیجو ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں" ابوعبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا۔ قاصد جو پیغام لے کر آیا تھا اس کا نام جارج تھا۔ جس وقت پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور جس محویت، سکون و وقار، ادب و خضوع سے انہوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے ابوعبیدہ سے چند سوالات کیے، جن میں ایک یہ تھا کہ تم عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابوعبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

یاھل الکتب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللّٰہ الا الحق
انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللّٰہ کلمتہ القاھا الی مریم
سے لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللّٰہ ولا الملئکة
المقربون تک

مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا۔ تو جارج پکار اٹھا کہ "بے شک عیسیٰ کے یہی اوصاف ہیں اور بے شک تمہارا پیغمبر سچا ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن حضرت ابوعبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومیوں کی لشکرگاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لئے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب سواروں کی صفیں قائم کی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ لیکن خالد اس بے پروائی اور تحقیر کی نگاہ سے ان پر نظر ڈالتے جاتے تھے، جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے۔ باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ اور لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لیکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی۔ حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا۔ اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا۔ لیکن ہم نے جس کو سردار بنا رکھا ہے اس کو ایک لمحہ کے لئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں۔ باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخریہ بیان کرنے لگا کہ "اہل عرب تمہاری قوم کے لوگ

ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے۔ ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کئے ہمارا خیال تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہو گا، لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو۔ تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ اب تم کو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم وحشی اور بے سر و سامان نہیں، یہ حوصلہ ہوا ہے۔ ہم اس پر بھی درگذر کرتے ہیں۔ بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسر کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو دیئے جائیں گے۔

باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ "بے شبہ تم دولت مند ہو، مالدار ہو، صاحب حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہم کو معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگدست اور خانہ بدوش تھے، ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا، قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوئے جاتے تھے بہت سے خدا بنا رکھے تھے اور ان کو پوجتے تھے، اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا۔ اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض، زیادہ پاک خو تھا۔ اس نے ہم کو توحید سکھائی اور بتلا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں وہ بیوی اولاد نہیں رکھتا۔ وہ بالکل یکتا و یگانہ ہے۔ اس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں، جس نے ان کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے۔ جس نے نہ مانا، لیکن وہ جزیہ دینا قبول کرتا ہے اس کے ہم حامی اور محافظ ہیں جس کو دونوں سے انکار ہو اس کے لئے تلوار ہے۔"

باہان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔" غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اٹھ کر چلے آئے۔ اب اس آخری لڑائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ جس کے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے۔ خالد کے چلے آنے کے بعد باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ "تم نے سنا اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے حملے سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تم کو ان کی غلامی منظور ہے؟ تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ "ہم مر

جائیں تو یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی"۔

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سروسامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہوئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰-۳۵ ہزار تھی اس کے ۳۶ حصے کئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفیں قائم کیں۔ قلب فوج ابوعبیدہ کو دی۔ میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرحبیل مامور ہوئے۔ میسرہ یزید بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کئے چن کر ان لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنون جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے۔ خطباء جو اپنے زور کلام سے لوگوں میں ہل چل ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پرجوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں۔ انہی میں ابی سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے۔

الا انکم ذادۃ العرب وانصار الاسلام وانھم ذادۃ الروم
وانصار الشرک اللّٰھم ان ھٰذا یوم من ایامک اللّٰھم انزل نصرک
علی عبادک۔

عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے

ایھا الناس غضوا ابصارکم واشرعوا الرماح والزموا مراکز
کم فاذا حمل عدوکم فامھلوھم حتی اذا رکبوا اطراف الاسنۃ
فثبوا فی وجوھھم وثوب الاسد۔

"یارو! نگاہیں نیچی رکھو برچھیاں تان لو اپنی جگہ پر جمے رہو، پھر جب
دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو۔ یہاں تک کہ جب برچھیوں کی نوک
پر آجائیں تو شیر کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔"

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰۔ ۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے۔ لیکن تمام عرب میں منتخب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک دیکھا تھا۔ ایک ہزار تھے۔ سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جمعیت تھی۔ ہمدان، خولان، لخم، جذام وغیرہ کے مشہور بہادر تھے۔ اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں ہندہ حملہ کرتی ہوئی بڑھی تھیں۔ تو

پکارتی تھیں عضدوا الغلفان بسیوفکم۔ امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورۂ انفال (جس میں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے؟ جنگ کی ابتدا عیسائی طرف سے ہوئی۔ وہ دفعتہً ٹڈی دل امڈ کر ایک ساتھ بڑھا ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سازو سامان دیکھ کر ایک مسلمان کی زبان سے بے اختیار نکلا اللہ اکبر کس قدر بے انتہا فوج ہے۔ خالد نے جھلا کر کہا "چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھا لیں"۔

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا اور تیروں کا مینہ برساتے بڑھے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا۔ اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیموں تک آ گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑ لیں۔ وہ پکارتی تھیں کہ اب ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے "خولہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یا ھاربا عن نسوۃ تقیات   رمیت بالسھم والمنیات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ "میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے"۔ ان کے بیٹے نے کہا "ہاں یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں"۔ غرض دونوں باپ بیٹے فوجوں میں گھسے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبید کے سردار تھے پانچ سو آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے آگا روک لیا۔ میمنہ میں قبیلہ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا۔ عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور اسی پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جنگ میں یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف سر ہاتھ بازو کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے کہ ازدیو دیکھنا مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ

آئے۔ وہ بڑے بڑے بہادر ان کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ وہ دفعتہً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں ابتر کر دیں۔ عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ ہو کر لڑتے تھے۔ گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا عیسائیو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمہارے مقابلہ میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے" یہ کہہ کر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟" چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریبا سب کے سب وہیں کٹ گئے۔ خود عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی کچھ کچھ دم باقی تھا خالد نے اپنے زانو پر ان کا سر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا "خدا کی قسم عمر کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے"۔ (فتوح الشام ازدی [illegible])

غرض عکرمہ اور ان کے ساتھی تو ہلاک ہو گئے۔ لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیے خالد کے حملوں نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی۔ یہاں تک کہ آخر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور خالد ان کو دباتے ہوئے سپہ سالار درنجار تک پہنچ گئے۔ درنجار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر رومال ڈال لئے کہ اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔

عین اس وقت جب ادھر میمنہ میں بازار قتل گرم تھا ابن قباطیر نے میسرہ پر حملہ کیا۔ بدقسمتی سے اس حصے میں اکثر لخم و غسان کے قبیلے کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور مدت سے روم کے باجگزار رہتے آتے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ رومی بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور ان کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ ابتر ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم، سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، شرحبیل بن حسنہ داد شجاعت دے رہے تھے۔ قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے۔ مگر ان کے تیور پر بل نہ آیا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں

[illegible]

لا کر دے دیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے" ابوالاعور گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ "صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبیٰ میں رحمت، دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے" سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کے باپ ابوسفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے ان کی طرف نکلے بیٹے کو دیکھ کر کہا "جان پدر! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے۔ تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے" شرحبیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کی طرح کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت

ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون ۔

پڑھتے تھے اور پکارتے تھے کہ "خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟" یہ آواز جس کے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج سنبھل گئی اور شرحبیل نے ان کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو بڑھتے چلے آتے تھے بڑھنے سے رک گئے۔

ادھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آکھڑی ہوئیں۔ اور چلا کر کہتی تھیں کہ "میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا"۔

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے، بلکہ غلبہ کا پلہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعتہً قیس بن ہبیرہ جن کو خالد نے فوج کا ایک حصہ دے کر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا۔ عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں ابتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں، ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کر دیا۔ رومی دور تک ہٹتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اس کے کنارے تک آ گئے۔ تھوڑی دیر میں ان کی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا۔ اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ[1] یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے۔ بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے، اسی اثناء میں کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔

---

[1] یہ تمام واقعہ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۶ میں مذکور ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ "میرا پاؤں کیا ہوا؟" ان کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ سوار بن اوفی ایک شاعر نے کہا۔

ومنا ابن عتاب وناشد رجلہ   ومنا الذی ادی الی الحی حاجباً

رومیوں کے جس قدر آدمی مارے گئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں ضرار بن ازور، ہشام بن العاص، ابان، سعید وغیرہ تھے۔ قیصر انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی اسی وقت قسطنطنیہ کی تیاری کی چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا "الوداع اے شام"۔

ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی جن میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دفعتاً سجدہ میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک سے حمص کو واپس گئے اور خالد کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والوں نے اول مقابلہ کیا لیکن پھر قلعہ بند ہو کر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تنوخ مدت سے آکر آباد تھا۔ یہ لوگ برسوں تک خیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن پیدا ہو گیا اور بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوا لی تھیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے تنوخ کے لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف بنو سلیح کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا۔ لیکن چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے۔ انہوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ قنسرین کی فتح کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلب کا رخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے انہوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے شہر کا محاصرہ کیا۔ اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ اور ان کی جان و مال، شہر پناہ، مکانات، قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ پر چڑھائی کی۔ یہ قیصر کا خاص دارالسلطنت تھا بہت سے رومیوں اور عیسائیوں نے یہاں

سرحد ملی تھی۔ ابوعبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان صدر مقامات کی فتح نے تمام شام کو مرعوب کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تو عیسائی خود آ کر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابوعبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا، جومہ، سرمین، تیزین، قورس، تل عزاز، دلوک، رعبان یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا اسی طرح بالس اور قاصرین بھی پہلے ہلے میں فتح ہو گئے۔ جرجومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا۔ اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے۔ ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی تھی۔ یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان، تنوخ، ایاد، مدمعین کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔

بیت المقدس ۱۶ہجری (۶۳۷ء)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے چنانچہ فلسطین عمرو بن العاص کے حصے میں آیا۔ عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے عہد میں فتح کر لئے تھے اور فاروقی عہد تک تو نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین، تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آ جاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتے تھے اور ان کو مدد دیتے تھے۔ لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آ جاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے۔ اس وقت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے، چنانچہ ادھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی۔ اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھ سے لکھا

۱۔ فتوح البلدان صفحہ

جائے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں۔ آپ ان کی درخواست کو رد کر دیں تو ان کو اور بھی ذلت ہو گی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں بغیر شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہی کی رائے کو پسند کیا اور سفر کی تیاریاں کیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کے سپرد کئے۔ اور رجب ۱۶ ہجری میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہو گا کہ فاروق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا، کس سروسامان سے ہوا ہو گا؟ لیکن یہاں نقارہ و نوبت، خدم و حشم، لاؤ لشکر ایک طرف معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجر و انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں آ کر ان سے ملیں۔ اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کی چکنی اور پر تکلف قبائیں تھیں۔ اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ "قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں"۔ (یعنی سپہ گری کا جوہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے) فرمایا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی **کم ترکوا من جنت و عیون الخ** پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

۱۔ یہ طبری کی روایت ہے۔ ۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۹۔ ۳۔ طبری صفحہ ۲۴۰۱۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر پہلے سے پہنچ چکی تھی، چنانچہ رئیسان شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق روانہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعتہً کچھ سوار آتے جو گھوڑے اڑاتے چلے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا کچھ خوف نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آئے ہیں۔ غرض معاہدہ صلح قلمبند کیا گیا۔ بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے۔ [۱]

[۱] طبری کی روایت ہے۔ بلاذری اور [illegible] نے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا [illegible]
[illegible] اس کتاب کے دوسرے حصہ میں نقل کیا ہے۔ [illegible] اس کتاب کا دوسرا حصہ [illegible]

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم گھس کر بیکار ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار ہوئے تو کاوے کرنے لگا۔ فرمایا "کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سیکھی" یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لباس اور ساز و سامان جس معمولی حیثیت کا تھا۔ اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے"۔ غرض اسی حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد گئے۔ محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدۂ داؤدی کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر ادھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کئے۔ ایک دن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رسول اللہ کے مؤذن) نے شکایت کی کہ امیر المومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افسران کی طرف

دیکھا انہوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میوہ ملتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ سپاہی کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلال نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج اور صرف آج آپ کا ارشاد بجا لاؤں گا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آگیا۔ اور رقت طاری ہوئی۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہچکی لگ گئی۔ دیر تک یہ اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ میں گئے اور کعب بن احبار کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے جو انبیائے سابقین کی یادگار ہے اس کو صخرہ کہتے ہیں۔ اور یہودی اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ "صخرہ کی طرف" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آکر جوتی اتار دی" اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا، ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصہ کے صفحہ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہئے۔

حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش

۱۷ ہجری (۶۳۸ء)

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا تھا۔ ایران اور روم کی جنگیں جن اسباب سے پیش آئیں ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لئے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا" اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود بڑھتے جاتے تھے ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے

چنانچہ ادھر جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجئے ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی۔ ادھر جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی فوج کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفیں جمائیں۔ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آ جائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابوعبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف سے قاصد دوڑا دیئے۔ قعقاع بن عمرو کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔ سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تھام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے۔ جزیرہ والوں نے جب یہ سنا کہ خود ان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آ گئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیئے۔ عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچھتائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب بھیجا کہ "افسوس! میں دوسرے شخص (ابوعبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پرواہ نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔" ادھر فوج نے ابوعبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انہوں نے خالد سے پوچھا۔ خالد نے کہا "میری جو رائے ہے معلوم ہے عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں اب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے" اس پر بھی ابوعبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا۔ تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پرزور اور مؤثر تقریر کی کہ "مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا۔ اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔" فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لئے بے قرار تھی ابوعبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا۔ اور دفعتاً سب نے ہتھیار سنبھال

لئے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلب فوج اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دائیں بازو اور میسرہ کو لے کر بڑھے۔ قعقاع بن عمرو جو کوفہ سے ۴ ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آئے تھے۔ حمص سے چند منزل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی فوج چھوڑ کر سو سواروں کے ساتھ ابو عبیدہ سے آملے مسلمانوں کے حملہ کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے قرار ہو چکا تھا) عین کے ساتھ پیچھے ہٹے ان کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر لڑ کر بدحواسی سے بھاگے۔ مرج الدیباج تک ان کے قدم نہ جمے۔ یہ اخیر معرکہ تھا جس کی ابتداء خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی۔ اور جس کے بعد ان کو پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا معزول ہونا

شام کی فتوحات در سلسلہ ہجری (۶۳۸ء) کے واقعات میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ عام مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آئے ہیں۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں آیا۔ خود ہی ۱۳ ہجری کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی ۱۷ ہجری کے واقعات میں ان کی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے۔ تاہم ابتدائے خلافت میں ان سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ وہ فتوحات حساب دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لئے ان کو تاکید لکھی کہ آئندہ سے اس کا خیال رکھیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھ کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں۔ اور اب اسکے خلاف نہیں کر سکتا"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی یہ خود مختاری کب پسند ہو سکتی تھی۔ اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بے دریغ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ اس شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب بھیجتے رہو۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شرط کو نامنظور کیا۔ اور اسی بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن جریر نے

کتاب الاسباب میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں تفصیل سے لکھا ہے

بایں ہمہ ان کو بالکل معزول نہیں کیا۔ بلکہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد ۱۷ ہجری (۶۳۸ء) میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دے دیئے۔ پرچہ نویسوں نے اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا۔ اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالد جس کیفیت سے معزول کیے گئے وہ سننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا۔ مجمع عام میں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ "یہ انعام تم نے کہاں سے دیا"۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ ان سے درگزر کی جائے۔ لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی۔ اور ان کے سرتابی کی سزا کے لیے انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے۔ اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ "امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا۔ اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا"۔ اس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چپ رہ! ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے"۔ خالد نے کہا "ہاں! لیکن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوتے ہوئے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔"

خالد مدینہ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا کی قسم تم میرے معاملے میں ناانصافی کرتے ہو"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی"۔ خالد نے کہا کہ مال غنیمت سے"۔ اور یہ بھی کہا کہ "ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپ کے حوالے کرتا

۱؎ دیکھو کتاب الخراج ابو یوسف صفحہ ۱۹۱۔ و تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۶

ہوں"۔ چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو" اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں۔ پھر تمام عمالان ملکی کو لکھ بھیجا کہ "میں نے خالد کو ناراضی سے یا خیانت کی بناء پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے معتقد ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے"۔ ان واقعات سے ایک نکتہ بین شخص باآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے۔ اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمواس کی وبا ۱۸ ہجری (۶۳۹ء)

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۷ ہجری کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اول جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لیے خود روانہ ہوئے سرغ[1] میں پہنچ کر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے جو ان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا۔ اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ لیکن مہاجرین فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ "آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نہایت غصہ آیا۔ اور طیش میں آکر کہا **افرارا من قدر اللہ** یعنی اے عمر! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا۔

افر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ یعنی ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں۔ مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کی طرف ہوں۔

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کام ہے کچھ دنوں کے لئے یہاں آجاؤ۔ ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہوگا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۲۸ یہ مقام [illegible] ہے۔

لئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خط پڑھ کر رو دیئے اور لکھا کہ فوج جہاں اتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے اس لئے کوئی عمدہ موقع تجویز کر کے وہاں اٹھ جاؤ۔ ابوعبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر مقام کیا۔ جو آب و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔ جابیہ پہنچ کر ابوعبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا۔ اور نہایت پر اثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور چونکہ نماز کا وقت آ چکا تھا۔ حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ ادھر نماز ختم ہوئی ادھر انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بیماری اسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا انہی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے یہاں سے بھاگنا چاہیے۔ معاذ نے سنا تو منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے۔ خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ کہا۔ **یابنی الحق من ربک ولا تکونن من الممترین** یعنی اے فرزند یہ خدا کی طرف سے حق ہے دیکھ شبہ میں نہ پڑنا۔ بیٹے نے جواب دیا **ستجدنی انشاء اللہ من الصبرین** یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے یہ کہہ کر انتقال کیا۔ معاذ بیٹے کو دفن کر کے آئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ تعلق خدا کے قرب کا حجاب تھی بڑے اطمینان اور مسرت سے جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ وبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی لقمۂ اجل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذ اس کو خدا کی رحمت سمجھا کئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی۔ لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ انہوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اس لئے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیے۔ اگرچہ ان کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہم خیال تھے ناپسند آئی۔ یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج ان کے حکم کے مطابق ادھر ادھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل میں آئی کہ ۲۵ ہزار مسلمان جو آدھی دنیا فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے موت کے مہمان ہو چکے تھے۔ ان میں ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یزید بن ابی سفیان، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، عتبہ بن سہیل بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی اور

مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے۔ یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرحبیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔

اس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعتہً رک گیا۔ فوج بجائے اس کے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی۔ ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ جو لوگ مرے تھے ان کا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے۔ اسی حیثیت سے ایلہ آئے اور یہاں دو روز قیام کیا۔ گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کو حوالہ کیا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کرتہ پہن لیا۔ اور کہا کہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلہ سے دمشق آئے اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کئے۔ فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں۔ جو لوگ وباء میں ہلاک ہوئے تھے ان کے دور و نزدیک کے وارثوں کو بلا کر ان کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو آسامیاں خالی ہوئی تھیں۔ ان پر نئے عہدیدار مقرر کئے۔ ان باتوں کی دوسری تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔ چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا۔ اور جو انتظامات کئے تھے ان کے متعلق تقریر کی۔

اس سال عرب میں سخت قحط پڑا اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے۔ اسی سال مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کئے۔ چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔

قیساریہ کی فتح شوال سنہ ۱۹ھ ہجری (۶۳۰ء)

قیساریہ شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج ویران پڑا ہے۔ لیکن اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا۔ اور بقول بلاذری[1] کے تین سو بازار آباد تھے اس

---

[1] بلاذری

شہر پر اول اول ۱۳ ہجری (۶۳۴ء) میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی۔ اور مدت تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابو عبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کو ان کی جگہ مقرر کیا تھا۔ اور حکم دیا کہ قیساریہ کی مہم پر جائیں۔ وہ سترہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن ۱۸ ہجری (۶۳۹ء) میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے ساز و سامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا، امیر معاویہ کے پاس آ کر ایک سرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اسی کی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی۔ چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا، اس کی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہو گیا۔

جزیرہ[1] ۱۷ ہجری (۶۳۷ء)

مدائن کی فتح سے دفعتاً تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں۔ عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب ان کو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔ سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالا کیونکہ اس کی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ سعد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات سے اطلاع دی وہاں سے عبداللہ بن المعتمؓ مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اس لئے افسروں کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمۃ الجیش پر ربعی بن الافکل، میمنہ پر حارث بن حسان، میسرہ پر فرات بن حیان، ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے۔ عبداللہ بن المعتمؓ پانچ ہزار کی جمعیت سے تکریت[2] کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کیا مہینے سے زیادہ محاصرہ رہا اور ۲۴ دفعہ حملے ہوئے چونکہ عیسائیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد، تغلب، نمر بھی شریک تھے۔ عبداللہ نے خفیہ پیغام بھیجا اور غیرت دلائی کہ

---

[1] جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں ہے اس کی حدود یہ ہیں مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک، جنوب شام، مشرق عراق، شمال آرمینیہ کے کچھ حصے۔ یہ تمام ابن حوقل سے ہے۔

[2] تکریت جزیرہ کا سب سے آخری شہر ہے جس کی حد عراق سے ملی ہے، دجلہ کے غربی جانب واقع ہے اور موصل سے ۳ منزل پر ہے۔

تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا اثر یہ ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا۔ اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تم سے آملیں گے۔ یہ بندوبست ہو کر ابن معتم نے شہر پر دھاوا کیا۔ عجمی مقابلہ کو نکلے تو خود ان کے ساتھ عربوں نے عقب سے ان پر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر پامال ہو گئے۔

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی سرحد میں شامل ہے لیکن چونکہ اس کا موقع تعلق طور سے عراق کے سلسلے میں پیش آیا تھا اس لئے مؤرخین اسلام جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے۔ اور خود اس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ ۱۷ ہجری میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں۔ سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا، ڈیرے ڈالے۔ یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیہ پر صلح کر لی۔ رہا کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اس سرے تک فتح ہو گیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں تو ان کے نام یہ ہیں۔ رقہ، حران، نصیبین، میافارقین، سمیساط، سروج، قرقیسیا، زوزان، عین الوردہ۔

خوزستان[۱]

ھ (۶۳۶ء) ہجری میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی ہے انہوں نے خیال کیا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں کامل طور سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا، چنانچہ ۱۶ ہجری (۶۳۷ء) کے شروع میں اہواز پر جس کو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر رقم دے کر صلح کر لی۔ مغیرہ واپس چلے گئے۔ ۱۷ ہجری (۶۳۸ء) میں مغیرہ معزول ہوئے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے۔ اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ اشعری نے لشکر کشی کی اور اہواز کو جا گھیرا۔ شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔ غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لونڈی غلام بن کر تقسیم کئے گئے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ہوئی

---

[۱] خوزستان اس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس میں ۷ بڑے بڑے شہر تھے [illegible] سب سے بڑا شہر [illegible] ہو گیا ہے

تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابو موسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے مقابلہ کیا۔ اس معرکہ میں مہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے۔ اور قلعہ والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

ابو موسیٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے۔ ربیع نے مناذر کو فتح کر لیا۔ اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شہر نے صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا تھا اور اس کو امن دے دیا جاتا تھا۔ بدقسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسیٰ اشعری نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا۔ سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ ہوا۔ اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ یزدگرد اس وقت قم میں مقیم تھا۔ اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابو موسیٰ کی دست درازیوں کی خبریں اس کو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت کا سردار تھا یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دے دیئے جائیں تو عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں ہرمزان نے یہاں پہنچ کر قلعہ کی مرمت کرائی اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا اس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کے لئے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا۔ پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت عظیم فراہم ہو گئی۔ ابو موسیٰ نے دربار خلافت کو خط لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ وہاں سے عمار بن یاسر کے نام جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں۔ لیکن غنیم نے جو ساز و سامان کیا تھا۔ اس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی۔ ابو موسیٰ نے دوبارہ لکھا کہ جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ آدھی فوج کو عبداللہ بن مسعود کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر خود ابو موسیٰ کی مدد کو جاؤ۔ ادھر جریر بجلی ایک بڑی فوج لے کر جلولاء پہنچا۔ ابو موسیٰ نے اس ساز و سامان سے شوستر کا رخ کیا۔ اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ ہرمزان کثرت فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابو موسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ براء بن مالک کو دیا جو حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی کے بھائی تھے۔ میسرہ پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں، براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہر پناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے، ادھر ہرمزان تمامت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا۔ براء مارے گئے، ساتھ ہی مجزاۃ بن ثور نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا لیکن ہرمزان نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجمی ایک ہزار مقتول ہوئے اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابو موسیٰ کے پاس آیا۔ اور کہا اگر میرے جان مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرا دوں گا۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا۔ اور نہر دجیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے۔ اور شوستر کے نیچے بہتی ہے پار اتر کر ایک تہ خانے کی راہ میں داخل ہوا۔ اور اشرس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا۔ ہرمزان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی۔ اور موقع کے نشیب و فراز دکھائے۔ ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشرس نے اس کے بیان کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دو سو بہادروں نے بڑھ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اسی تہ خانے کی راہ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچے اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے۔ ادھر ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی مسلمان قلعے کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں۔ اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اترتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو۔ اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے ہو۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لیے مدینہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصع جو 'آذین' کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا، دیبا کی قبا زیب تن کی۔ شاہان عجم کے طریقے کے موافق

زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی۔ غرض شان و شوکت کی تصویر بن کر مدینہ میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس کا دربار بھی بڑے ساز و سامان کا ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے زرق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "یہ دنیائے دوں کی دلفریبیاں ہیں"[1] اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اس وقت تک مترجم نہیں آیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے اس لئے انہوں نے ترجمانی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیرہ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے اس لئے کہا کہ "از کدام ارضی"؟ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ عہد سے صلح کی تھی۔ اور ہمیشہ اقرار سے پھر جاتا تھا۔ شوستر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے۔ اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے ہیں۔ یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کر لیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مغالطہ پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لئے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت خوش ہوئے اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا۔ جو شوستر سے ۲۴ میل ہے کئی دن تک

---

[1] یہ واقعات طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ [2] عقد الفرید لابن عبد ربہ باب المکیدۃ فی الحرب

محاصرہ رہا۔ ایک دن شہر والوں نے خود دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا۔ اور اس کا سبب دریافت کیا۔ شہر والوں نے کہا "تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا رہا" سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ "ایک غلام کی خود داری حجت نہیں ہو سکتی" شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا گیا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ "مسلمان غلام بھی مسلمان ہے۔ اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے"۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔ اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نئے ملک کا اضافہ ہو گیا۔

عراق عجم[1] ۲۱ ہجری (۶۴۲ء)

جلولاء کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یزدگرد رے چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اس لئے رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر مرو میں اقامت کی۔ آتش پارس ساتھ تھی اس کے لئے آتش کدہ تیار کرایا۔ اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا۔ اور ہرمزان جو سلطنت کا زور و بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا رعب و داب باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعتہً نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اس وقت تک یہ سمجھتے تھے کہ عرب کی ترقی سرحدی مقامات تک پہنچ کر رک جائے گی اس لئے ان کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا۔ لیکن خوزستان کے واقعہ سے ان کی آنکھیں کھلیں۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہنچے۔ اس سے دفعتہً طبرستان، جرجان، نہاوند، رے، اصفہان، ہمدان سے گزر کر خراسان اور سندھ تک تلاطم مچ گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ ٹڈی دل لشکر قم میں آکر ٹھہرا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو (ہرمز کا فرزند تھا) سر لشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکے میں درفش کاویانی جس کو عجم فال ظفر سمجھتے تھے مبارک فالی

---

[1] سرزمین عراق دو حصوں پر منقسم ہے۔ مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصے کو عراق عجم کہتے ہیں۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں طبرستان، جنوب میں [illegible] مشرق میں خوزستان اور مغرب میں شہر زور واقع ہے۔ اس وقت اس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رے سمجھے جاتے تھے۔ اس وقت رے بالکل ویران ہو گیا اور اس کے قریب طہران آباد ہو گیا ہے جو شاہان قاچار کا دار السلطنت ہے۔

کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھریرا اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمار کا خط لئے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور سب کو سنا کے کہا کہ "گروہ عرب! اس مرتبہ تمام ایران کمربستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟" طلحہ بن عبید اللہ نے اٹھ کر کہا کہ امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے۔ ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دیں بجا لائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "میری رائے ہے کہ شام، یمن، بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں اور آپ خود اہل حرم کو لے کر مدینہ سے اٹھیں، کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں اور پھر نہاوند کی طرف رخ کیا جائے" حضرت عثمان کی رائے کو سب نے پسند کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا وہ بولے کہ "شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہو جائے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ جائیں۔ اور شام اور یمن، بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہیں ایک ایک ثلث ادھر روانہ کر دی جائیں" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میری رائے بھی یہی تھی۔ لیکن تنہا اس کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم پر سالار بن کر کون جائے؟ لوگ ہر طرف خیال دوڑا رہے تھے۔ لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور اور خدمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف ان کی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن مقرن کا انتخاب کیا۔ اور سب نے اس کی تائید کی۔ نعمان تیس ہزار کی جمعیت لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔ جن میں سے حذیفہ بن الیمان، عبد اللہ بن عمر، جریر بجلی، مغیرہ بن شعبہ، عمرو معدی کرب زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوسوں کو بھیج کر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند سے ۹ میل ادھر اسپہان ایک

مقام تھا۔ وہاں جمع کر رہا تھا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں ان کو لکھا کہ ایرانی اس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ دیں۔ اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے۔ سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا۔ مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زریں پر بٹھایا۔ تخت کے داہنے بائیں ملک ملک کے شہزادے دیبائے زرکش کی قبائیں، سر پر تاج، ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی صفیں قائم تھیں۔ جن کی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا کہ اہل عرب سب سے بدبخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو۔ یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔ مغیرہ نے کہا "ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل تھے لیکن اس ملک میں آ کر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا۔ اور یہ مزہ ہم اسی وقت چھوڑیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔ غرض سفارت بے حاصل گئی۔ اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ نعمان نے میمنہ اور میسرہ پر حذیفہ اور سوید بن مقرن کو مجردہ پر قعقاع کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع متعین ہوئے۔ ادھر میمنہ پر زردک اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمی میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچھا دیتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا۔ اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا۔ اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں اور قعقاع کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں۔ عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس بندوبست کے لئے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے جس قدر بڑھتے آتے تھے گوکھرو بچھاتے آتے تھے۔ قعقاع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ گوکھروں کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے ادھر جو فوجیں جما رکھی تھیں۔ موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جونہی عجمی زد پر آگئے انہوں نے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی برابر تیر برسا رہے تھے اس سے سینکڑوں مسلمان کام آگئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم

کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہ بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر ڈھلی تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے پہلے نعرے پر فوج ساز و سامان سے درست ہو گئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلواریں تول لیں۔ تیسرے پر دفعتہً حملہ کیا۔ اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہو گئے۔ ان کا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جونہی وہ گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن کے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاہ اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک زمانہ میں مسلمانوں کو خدا نے ضبط واستقلال دیا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا ان کا حکم یاد آ گیا۔ اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے آیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا "مسلمانوں کو فتح ہوئی" خدا کا شکر ادا کر کے کہا "فوراً عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دو"۔

رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں ایک مشہور آتش کدہ تھا۔ اس کا موبد حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسریٰ پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لا کر پیش کئے جس کو کسریٰ نے مشکل وقتوں کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مژدۂ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہداء کے نام بتائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جن کو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر روئے اور فرمایا کہ

"عمرؓ نہ جانے تو نہ جانے خدا ان کو جانتا ہے" جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ "فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں" چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم کے فروخت ہوئے۔

اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی لوگ مارے گئے اس معرکہ کے بعد عجم نے کبھی زور نہیں پکڑا' چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت لکھی تھی۔ اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

ایران پر عام لشکر کشی ۲۱ ہجری (۶۴۲ء)

اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق کا البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن وہ در حقیقت عرب کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلے میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے"۔ لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر خیال ہوا۔ اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہے گا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے اس وقت تک ان کی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں"۔

اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کئے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم احنف بن قیس کو' ساپور اور اردشیر کا مجاشع بن مسعود کو' اصطخر کا عثمان بن العاص الثقفی کو' افسا کا ساریہ بن زنیم الکنانی کو' کرمان کا سہیل بن عدی کو' سیستان کا عاصم بن عمرو کو' مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو' آذربائیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ ۲۱ ہجری میں یہ

افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کے طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم ان کی الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے ۲۱ھ ہجری میں عبداللہ بن عبداللہ۔ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی، یہاں کے رئیس، جس کا نام استندار تھا۔ اصفہان کے نواح میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی جس کے ہراول پر شہر براز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا، دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جادویہ نے میدان میں آکر پکارا کہ جس کا دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلہ کو آئے، عبداللہ خود مقابلے کو آئے۔ جادویہ مارا گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا، استندار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی۔ عبداللہ نے آگے بڑھ کر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذوسفان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑ کر خود فیصلہ کر لیں، دونوں حریف میدان آئے فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا، عبداللہ نے اس پامردی سے اس کے حملے کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے منہ سے بے اختیار آفریں نکلی۔ اور کہا کہ میں تم سے نہیں لڑنا چاہتا۔ بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دے کر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے عبداللہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور معاہدہ صلح لکھ دیا۔

اسی اثناء میں خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعیم بن مقرن کو ادھر روانہ کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچ کر محاصرہ کے سامان کئے۔ لیکن جب محاصرہ میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا۔ لیکن دیلم نے رے اور آذربائجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باپ زینبدی جو رے کا رئیس تھا انبوہ کثیر لے کر آیا دوسری طرف سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رود میں یہ فوجیں مقابل ہوئیں۔ اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا۔ آخر دیلم نے شکست کھائی۔ عروہ جو واقعہ جسر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شکست کی خبر لے کر گئے تھے۔ اس فتح کا پیغام لے کر گئے تھے تاکہ اس کی تلافی ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیلم کی تیاریاں سن کر نہایت تردد میں تھے۔ اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعتاً عروہ پہنچے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں، بے ساختہ زبان سے انا للہ نکلا۔ عروہ نے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعیم و سماک کو لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے روانہ ہوں۔ رے کا حاکم اس وقت سیاوش تھا جو بہرام چوبین کا پوتا تھا۔ اس نے دنباوند، طبرستان، قومس، جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آ گئیں۔ لیکن زینبی زمیندی جس کو سیاوش سے کچھ ملال تھا، نعیم بن مقرن سے آ ملا۔ اس کی سازش سے شہر پر حملہ ہوا اور حملے کے ساتھ ہی فتح ہو گیا۔ نعیم نے زمیندی کو رے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو برباد کر کے حکم دیا کہ نئے سرے سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

آذربائیجان ۲۲ ہجری (۶۴۳ء)

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آذربائیجان کا علم عتبہ بن فرقد اور بکیر کو بھیجا تھا اور ان کے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین کر دی تھیں۔ بکیر جب میدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عتبہ کا سد راہ ہوا، وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور میں تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربائیجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضے میں تھا، بکیر نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربائیجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربائیجان کا مہم حذیفہ بن یمانی کو ملا تھا وہ نہاوند سے چل کر اردبیل پہنچے جو آذربائیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے باجروان، میمند، سراۃ، سبز، میانج وغیرہ سے ایک انبوہ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موقان و جیلان پر حملہ کیا اور فتح کے پھریرے اڑائے۔

اسی اثناء میں دربار خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقد ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربائیجان کے تمام علاقہ میں بغاوت پھیل چکی تھی۔

؎ [illegible] سے آذربائیجان کا پایہ تخت [illegible] تبریز [illegible] مقام [illegible] تھا [illegible] اور اردبیل [illegible] ہیں۔ [illegible] تمام آذربائیجان [illegible] یہ [illegible] روایت [illegible] آذربائیجان کے [illegible] میں [illegible] آتش کدوں کی کثرت تھی۔ [illegible] نام [illegible] نے اپنا نام [illegible] آذربائیجان رکھا۔

چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

طبرستان[1] ۲۲ ہجری (۶۴۳ء)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رے فتح کر لیا تو ان کے بھائی سوید قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سوید نے وہاں کے رئیس مرزبان سے نامہ و پیام کیا۔ اس نے جزیہ پر صلح کر لی۔ اور معاہدۂ صلح میں بتصریح لکھ دیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں۔ اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی فتح سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہبد کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا اور مسلمانوں کو ان پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہوگا۔

آرمینیہ[2]

بکیر جو آذربائیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے آذربائیجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نئی فوج تیار کر کے ان کی مدد کو بھیجی۔ باب کا رئیس جس کا نام شہر براز تھا مجوسی تھا۔ اور سلطنت ایران کا تحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سن کر خود حاضر ہوا۔ اور کہا مجھ کو آرمینیہ کے کمینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے۔ میں ایرانی کی نسل سے ہوں۔ اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں۔ لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے۔ جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امداد لی جائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لئے یہ شرط منظور کر لی گئی۔ اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمن بن ربیعہ بلنجر کی طرف جو مملکت خزر کا پایۂ تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا۔ اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبدالرحمن نے کہا کہ لیکن میں جب تک ان

---

[1] نقشہ میں طبرستان کو جانب شمال بحر کے کنارے [illegible] میں [illegible] کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں خراسان و جرجان، مغرب میں آذربائیجان، شمال میں بحر جرجان اور جنوب میں بلاد جبال ہے۔ [illegible] اس کے مشہور شہر ہیں۔

[2] صوبہ آرمینیہ [illegible] ایک [illegible] شمال میں [illegible] جنوب میں [illegible] اور [illegible] صوبہ [illegible] خلافت [illegible] میں [illegible] تھا۔ [illegible]

کے جگر میں تیر کسی جا اس پار نہیں ہو سکتا"۔ چنانچہ یہیں تک فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ ادھر بکیر نے قان کو جہاں سے اردن کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا، حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال الان کا رخ لیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھریرا اڑتا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ یہ تمام مہمات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

فارس[1] ۲۳ھ ہجری (۶۴۳ء)

فارس پر اگرچہ اول اول ۱۷ھ ہجری میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اس وقت چنداں کامیابی ہوئی۔ ہم نے اس زمانے کے واقعات کے ساتھ اس کو لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے "کہ ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتش کا پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا۔" لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی علاء بن الحضرمی ۱۷ھ ہجری میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد بن وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی۔ ہر میدان میں ان سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے سعد نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا یہاں تک کہ دربار خلافت سے اجازت تک نہ لی۔ اور فوجیں تیار کر کے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سر لشکر تھے اور جارود بن المعلیٰ اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اصطخر پہنچ کر جہاز سے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پر اتریں یہاں کا حاکم ایک ہیربد تھا وہ ایک انبوہ کثیر لے کر پہنچا اور دریا اتر کر اس پار صفیں قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی۔ اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضے میں آ گئے تھے۔ لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ کو بڑھے اور فوج کو للکارا کہ "مسلمانو! بے دل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھیننا چاہا ہے لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔"

خلید اور جارود بھی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا۔ خلید کا رجز یہ تھا۔

---

[1] حال کے جغرافیہ میں عراق کی حد تک فارس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں۔ مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اس وقت فارس کے حدود یہ تھے۔ شمال میں اصفہان جنوب میں بحر فارس مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراق عرب اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے۔

یاآل عبدالقیس للنزاع
قد حفل الامداد بالجراع
وکلهم فی سنن المصاع
یحسن ضرب القوم بانقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا۔ اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر خصم نے جہاز غرق کر دیئے تھے مجبوراً خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا۔ بدقسمتی سے ادھر بھی راہیں بند تھیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جا بجا فوجیں متعین کر دی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے علاء کو نہایت تہدید کا نامہ لکھا۔ ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لئے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے چنانچہ بارہ ہزار فوج جس کے سپہ سالار ابو سبرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہاں رکے پڑے تھے وہاں پہنچ کر مورچے ڈالے۔ ادھر مجوسیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دیئے تھے اور ایک انبوہ کثیر جس کا سرگروہ شہرک تھا اکٹھا کر لیا تھا۔ دونوں حریف دل توڑ کر لڑے۔ بالآخر ابو سبرہ نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔ اس واقعہ کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی۔ اور جدا جدا فوجیں متعین کیں۔ پارسیوں نے توج کو صدر مقام قرار دے کر یہاں بڑا سامان کیا تھا۔ لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات پر پھیل گئیں تو ان کو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہی ان کی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابور، اردشیر، توج، اصطخر سب باری باری فتح ہو گئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخر خلافت یعنی ۲۳ ہجری میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ مہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ ابرکاوان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں۔ اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کئے یہاں سے کبھی کبھی اٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آ جاتے۔ اس طرح ارشیر، سابور، اصطخر، ارجان کے بہت سے حصے دبا لئے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت جوش میں آیا۔ اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا۔ ریشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی ایک دستہ سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی

پیچھے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک میدان میں مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ اس معرکے سے تمام فارس میں دھاک پڑ گئی۔ عثمان نے جس طرف رخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ کازرون، نوبندجان، ارجان، شیراز، سابور جو فارس کے صدر مقامات ہیں۔ خود عثمان کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ فسا، دارابجرد وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

۱ کرمان ۲۳ ہجری (۶۴۴ء)

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۳ ہجری میں ایک فوج لے کر جس کا ہراول بشیر بن عمرو العجلی کی افسری میں تھا۔ کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفص وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ جیرفت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں۔ اور بے شمار اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جیرفت کرمان کا تجارت گاہ اور سیرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

۲ سیستان ۲۳ ہجری (۶۴۴ء)

یہ ملک عاصم بن عمرو کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑ کر بھاگ نکلے عاصم بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے۔ محاصرہ کیا۔ محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ تمام اراضی حمی سمجھی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے ان کی فتح کی کلید ہاتھ آ گئی۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہے۔

۱۔ [illegible] شمال میں خراسان [illegible] مکران [illegible]
[illegible]
۲۔ سیستان [illegible]
[illegible]

۱؎ مکران ۲۳ھ ہجری (۶۴۴ء)

مکران پر حکم بن عمرو التغلبی۔ مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۳ھ ہجری میں یلغار کرتے ہوئے نہر مکران کے اس طرف فوجیں اتاریں۔ مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پار اتر کر آیا اور صف آرائی کی۔ ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے نامہ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے دربار خلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو نامہ فتح لے کر گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مکران کا حال پوچھا۔ انھوں نے کہا **ارض سھلھا جبل، ماءھا وشل، وتمرھا دقل، وعدوھا بطل، وخیرھا قلیل، وشرھا طویل، والکثیر بھا قلیل۔** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ فوجیں جہاں تک پہنچ چکی ہیں وہیں رک جائیں۔ چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آ گئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہندوستان میں بھی آ چکا تھا۔

۲؎ خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت

۲۲ھ ہجری (۶۴۴ء)

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں احنف بن قیس بھی تھے اور ان کو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ احنف نے ۲۲ھ ہجری میں خراسان کا رخ کیا۔ طبسین ہو کر ہرات پہنچے اور اس کو فتح کر کے مرو شاہجہان پر بڑھے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس یہیں مقیم تھا۔ ان کی آمد سن کر مرورود چلا گیا۔ اور

۱؎ مکران کا نصف حصہ بلوچستان میں آ گیا ہے اگرچہ مورخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہے کہ طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے اس لئے ہم نے بھی نقشہ میں فتوحات فاروقی کی یہیں تک حد قرار دی ہے۔

۲؎ بلاذری کے نزدیک تمام بلاد المشرق فرغانہ، خوارزم، قندھار، سجستان اور سیستان کا ربع خراسان میں داخل تھا اصل یہ ہے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں اس کے مشہور شہر نیشاپور، مرو، ہرات، بلخ، طوس، نسا اور ابیورد وغیرہ تھے جو اب بھی ہیں۔ دیکھئے اطلس ایران ص۔

خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے نامے لکھے۔ احنف نے مروشاہجہان پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرو رود کی طرف بڑھے۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور بلخ پہنچا۔ اس اثناء میں کوفہ سے امدادی فوجیں آگئیں جس سے میمنہ و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمہ بن النضری، ربعی بن عامر التمیمی، عبداللہ بن ابی عقیل، الثقفی ابن ام غزال الہمدانی تھے۔ احنف نے تازہ دم فوج لے کر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی پا کر ہر طرف فوجیں بھیج دیں اور نیشاپور سے طخارستان تک فتح کر لیا۔ مرو رود کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا۔ احنف کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیوں کا سرتاج ہے۔ تاہم جواب میں جو نامہ اس میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ ادھر یزدگرد خاقان کے پاس گیا اس نے بڑی عزت و توقیر کی۔ اور ایک فوج کثیر ہمراہ دے کر یزدگرد کے ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف بیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے۔ خاقان کی آمد سن کر مرو رود کو روانہ ہوا۔ اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرو رود پہنچا۔ یزدگرد سے الگ ہو کر مروشاہجہان کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا شہر اتر کر ایک میدان میں جس کی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صفیں جمائے پڑی رہیں۔ ترکی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے۔ اور چونکہ ادھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا۔ بغیر لڑے واپس آجاتے تھے ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر جنگ میں باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے ایک دن احنف خود میدان میں گئے ادھر سے معمول کے موافق ایک طبل و علم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا۔ اور دیر تک رد و بدل رہی آخر احنف نے جوش میں آکر کہا۔

ان علی کل رئیس حقا   ان یخضب الصعدة او یندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترک میدان میں آئے اور احنف کے ہاتھ سے مارے گئے خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں چونکہ شگون برا تھا۔ نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بے فائدہ پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔

چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔

یزدگرد مرو شاہجہان کا ہی صوبہ کے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی، فتح سے ناامید ہو کر خزانہ اور جواہر خانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے روکا اور جب اس نے نہ مانا تو برسر مقابلہ آکر تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان کا دارالسلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مژدۂ فتح سنایا۔ اور ایک پر اثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دے دے گا۔

مصر کی فتح ۲۰ ہجری (۶۴۱ء)

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے۔ لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔ اور مصر ان کی تجارت کا جولانگاہ تھا اس زمانے میں مصر کی نسبت گو اس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہوگا۔ لیکن اس کی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ ان کی نظر میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اس میں یہ ان سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا۔ لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی اس پر بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو الٹے پھر آنا۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا۔ لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا۔ عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آ چکے ہیں۔ (مقریزی وغیرہ میں لکھا ہے کہ قاصد مقام رفح میں عمرو سے ملا۔ انہوں نے اس خیال سے آگے بڑھنے سے منع کیا ہو گا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لے لیں گے۔ عریش کے قریب پہنچے تو خط لے کر کھولا اور پڑھا اور کہا کہ امیر المومنین نے لکھا ہے کہ مصر نہ پہنچے ہو تو رک جانا۔ لیکن ہم تو مصر کے حد میں آ پہنچے لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی حیلہ بازی کے اتہام کی کیا ضرورت ہے۔ البلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خط ان کو عریش ہی میں ملا لیکن رفح میں ملا ہو تب بھی حرج نہیں کیونکہ رفح خود مصر میں داخل ہے)

غرض عریش سے چل کر فرما پہنچے[1] یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گو اب ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آباد تھا۔ اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی۔ اس نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ اور ایک مہینے تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمرو فرما سے چل کر بلبیس[2] اور ام دنین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے فسطاط اس زمانے میں کف دست میدان تھا۔ اور اس قطعہ زمین کا نام تھا[3] جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اس وقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا۔ اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے اس کے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہاز اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آ کر لگتی تھیں۔ ان وجوہ سے سرکاری ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی کو تاکا اور محاصرہ کی

تیاریاں کیں۔ مقوقس جو مصر کا فرمانروا اور قیصر کا باجگزار تھا، عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت کو دیکھ کر عمرو نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا اور اعانت طلب کی۔ انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن العوام، عبادہ بن الصامت، مقداد بن عمرو، مسلمہ بن مخلد تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمرو نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے۔ انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا۔ اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے۔ اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کئے اس پر پورے سات مہینے گذر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آ کر کہا آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہ نے ان کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے۔ ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگے۔ زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی۔ اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی۔ عمرو بن العاص نے قبول کر لی۔ اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے ان لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور مخملی کرسیوں پر بیٹھے کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دے دیا تھا سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز اور عادات کے موافق کھانے بیٹھے کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیاں شوربے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شوربے کی چھینٹیں اڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ رومیوں نے کہا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں تھے یعنی وہ ایسے گنوار اور بے تمیز نہ تھے عمرو نے کہا "وہ اہل الرائے تھے اور یہ سپاہی ہیں"۔

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لئے معاہدہ صلح لکھوایا تھا۔ لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی تو اس نے نہایت ناراضگی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ سکندریہ پہنچ کر

مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار رہو۔

اسکندریہ کی فتح ۲۱ ہجری (۶۴۲-۶۴۱ء)

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا۔ اور یہیں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی۔ عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلا بنایا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اس کو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں۔ اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اس لئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہرحال ۲۱ ہجری میں عمرو نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں انہوں نے سد راہ ہونا چاہا۔ چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جس میں ہزاروں قبطی بھی تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں۔ مقام کریون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت طیش میں آکر جنگ کی اور بے شمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ مقوقس جزیہ دے کر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لئے صلح ہو جائے۔ عمرو نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر شہرپناہ کی فصیل پر مسلمانوں کے سامنے صف جما کر کھڑے ہوں' عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جا سکیں انہوں نے شہر کی طرف منہ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہلا بھیجا کہ ہم تمہارا مطلب سمجھتے ہیں۔ لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اب تک جو ملک فتح کئے کثرت فوج کے بل پر نہیں کئے۔ تمہارا بادشاہ ہرقل جس سازو سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں۔ مقوقس نے کہا سچ ہے۔ "یہی عرب ہیں جنہوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا۔" اس پر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے مقوقس کو بہت برا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

تقویم البلدان صفحہ ۲۲۵

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی، اس لئے عمرو سے اقرار لے لیا تھا کہ "چونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں، اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے۔" قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکے میں دونوں سے الگ رہے بلکہ مسلمانوں کو بہت بڑی مدد دی۔ فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے۔ خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گذر کر تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جس کا دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن مخلد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے ان کو زمین پر دے مارا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر بچا لیا۔ عمرو کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ حرمت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی خیال نہ کر کے کہا کہ "زنانوں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔" مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا۔ لیکن مصلحت کے لحاظ سے چپ ہو رہے۔ لڑائی کا زور اسی طرح قائم رہا۔ آخر مسلمانوں نے اس طرح توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا۔ آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا۔ اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیئے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن العاص اور مسلمہ اور دو شخص اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ وار جان دینی چاہی تو انہوں نے کہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے۔ اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔

عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ اور خود مقابلے کے لئے نکلنا چاہا مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو تم پر آنچ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھالے تیار تھا۔ دیر تک دونوں وار ہوتے رہے۔ آخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے۔ انہوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انہوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔

محاصرہ جس قدر طول کھینچتا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ "شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی۔ جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو

اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن لوگوں کو افسر بنا کے بھیجا تھا انہوں نے آگے بڑھ کر اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ عمرو نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پر اثر تقریر کی کہ مجاہدوں کے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو برسوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھ کو دیجئے۔ خود سر سے عمامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ زبیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول کیا۔ غرض اس سر و سامان سے قلعہ پر حملہ ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ عمرو نے اسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ جس قدر تیز جا سکو جاؤ۔ اور امیرالمومنین کو مژدہ فتح سناؤ۔ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔ اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہ خلافت میں جانے سے پہلے سیدھے مسجد نبوی کا رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لونڈی ادھر آ نکلی اور ان کو مسافرانہ ہیئت دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اسکندریہ سے۔ اس نے اسی وقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آ کر کہا چلو تم کو امیرالمومنین بلاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لئے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی کہ **الصلوۃ جامعہ** سنتے ہی تمام مدینہ امڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے وہاں سے اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے گھر پر گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے انہوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں۔ فرمایا! افسوس تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔ اور یہ تفصیل مقریزی سے لی گئی ہے۔

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ قطعے متعین کئے اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں۔ تفصیل اس کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کوئی حریف نہیں رہا تھا۔ تاہم چونکہ مصر کے

تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہ جائے چنانچہ خارجہ بن حذافہ العدوی فیوم، اشمونین، اخمیم، بشرودات، صعید اور ان کے تمام مضافات میں پھر آئے اور ہر جگہ لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن وہب الجمحی نے تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا، دقہلہ، بنا، بوصیر کو مسخر کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کئے (مقریزی جلد اول صفحہ ۲۶۷)

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبطی اور رومی گرفتار ہوئے تھے عمرو نے دربار خلافت کو لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہوگا۔ جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ عمرو نے تمام قیدی جن کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی ایک جا جمع کئے عیسائی سرداروں کو طلب کیا اور مسلمان اور عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں کے ذریعہ اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے چیخ جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا۔ اور مسلمان اس قدر غمزدہ ہوتے تھے کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے تھے دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے مقصد کے موافق کامیاب ہوئے (طبری صفحہ ۲۵۸۲ تا ۲۵۸۳)

حضرت عمرؓ کی شہادت

(۲۶؍ ذوالحجہ ۲۳ھ؍ ہجری - ۶۴۴؍ عیسوی)

(کل مدت خلافت دس برس چھ مہینے چار دن)

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ جس کی کنیت ابولولو تھی اس نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے' آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعداد پوچھی اس نے کہا روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' تو کون پیشہ کرتا ہے بولا کہ "نجاری نقاشی آہنگری" فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح کی نماز کو نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہو جاتیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کے لئے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور خود زخم کے صدمے سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے بسمل پڑے تھے فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ گھر لائے سب سے پہلے انھوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا۔ لوگوں نے کہا کہ فیروز" فرمایا کہ الحمدللہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔ لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں غالباً شفا

ہو جائے۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اس نے نبیذ اور دودھ پلایا۔ اور دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ اور کہو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ "اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پر ترجیح دوں گی"۔ عبداللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے۔ فرمایا "یہی سب سے بڑی آرزو تھی"۔

اس وقت اسلام کے حق میں سب سے اہم کام تھا کہ وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کر جاتے۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر سوچا کرتے تھے۔ بارہا لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بارہا ان کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی۔ کہ "افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا"۔ تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی

---

[1] حضرت عمرؓ نے اوروں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں گو ہم نے ان کو [illegible] نہیں لکھا لیکن ان تک جانے کا [illegible] البتہ حضرت علیؓ کے متعلق جو کچھ کہا حضرت عمرؓ [illegible] علم [illegible] میں [illegible] ان کے مزاج میں ظرافت ہے۔ یہ ایک [illegible] کی خوبی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے [illegible] تاریخ کسی طرح ان [illegible] کے [illegible] تھے۔ علامہ [illegible] نے اس معاملے کے متعلق حضرت عمرؓ کے [illegible] کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ [illegible] اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کے [illegible] کا راز معلوم ہو گا۔ [illegible] سے [illegible] حضرت علیؓ کے [illegible] تھے۔

حضرت عمرؓ [illegible] ساتھ کھیل میں شریک ہوئے۔ [illegible]

کرتے تھے۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارکس بتفصیل مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (طبری صفحہ ۲۷۷۷)

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ "ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور حواس نے یاوری کی اسی دھن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین، انصار، اعراب، وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی، یہودی، پارسی جو اسلام کی رعایا تھے)" پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی۔ چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں یہ الفاظ

عبداللہ بن عباسؓ: میں نہیں جانتا۔
حضرت عمرؓ: تمہارے باپ رسول اللہؐ کے چچا اور تم رسول اللہؐ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم نے تمہاری طرفداری کیوں نہیں کی؟
عبداللہ بن عباسؓ: میں نہیں جانتا۔
حضرت عمرؓ: لیکن میں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا پسند نہیں کرتی تھی۔
عبداللہ بن عباسؓ: کیوں؟
حضرت عمرؓ: وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آ جائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکرؓ نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابوبکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں چنداں مفید نہ ہوتا۔
دوسرا مکالمہ اس سے [illegible] یہ ہیں۔
حضرت عمرؓ: کیوں عبداللہ بن عباسؓ! تمہاری نسبت میں بعض باتیں سنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میرے دل میں کم نہ ہو جائے۔
عبداللہ بن عباسؓ: وہ کیا باتیں ہیں؟
حضرت عمرؓ: میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسد اور ظلم سے چھین لی۔
عبداللہ بن عباسؓ: ظلم کی نسبت تو [illegible] کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن حسد، تو ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟
حضرت عمرؓ: تمہارے خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے کینے [illegible] نہ جائیں گے۔
عبداللہ بن عباسؓ: ایسا نہ کہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاشمی تھے۔
حضرت عمرؓ: اس تذکرہ کو جانے دو۔
عبداللہ بن عباسؓ: بہت مناسب۔ (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۹ تا ۲۷۷۲)
ان مکالمات سے علاوہ اصلی واقعہ کے اس بات کا بھی اندازہ [illegible] حضرت [illegible]
[illegible] تھے۔ اور یہ زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ حضرت عمرؓ [illegible]
اور [illegible] چاہتے تھے۔

کہے وہ یہ تھے "میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبد اللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے۔ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم، فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے۔ لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا، یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شبہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے، کہتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا۔ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ میں بیچا تھا۔ (دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۵۲)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا۔ لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا۔ جس کو امیر معاویہ نے خرید ا۔ یہ مکان باب السلام اور باب رحمت کے بیچ میں واقع تھا۔ اور اسی مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا۔ ایک مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ "خلاصۃ الوفاق اخبار دار المصطفیٰ" میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے۔ (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین دن کے بعد انتقال کیا۔ اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے نماز جنازہ صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت عبد الرحمٰن، حضرت علی، حضرت عثمان، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالمتاب خاک میں چھپ گیا۔

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتوحات پر ایک اجمالی نظر

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمہارے دل پر اس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا۔ لیکن اسلاف کی داستان سننے میں تم نے اس کی پرواہ نہ کی ہو گی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحرا نشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر الٹ دیا! کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے۔ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود اربعہ کیا تھے۔

فتوحات فاروقی کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربع یعنی مکہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔

مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اس لئے وہ قابل ذکر نہیں۔

اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق، عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا حصہ بھی آجاتا ہے۔ شامل تھا۔ ایشیائے کوچک پر جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں ۲۰ ہجری میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات ہیں۔ اور اس کی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

فتح کے اسباب یورپین مؤرخوں کی رائے کے موافق

پہلے سوال کا جواب یورپین مؤرخوں نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا ہو موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائدین و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں۔ اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں ادل بدل ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین چار برس کے عرصے میں ہی عنان حکومت چھ سات فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا۔ جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نوشیرواں نے گو تلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا تھا۔ لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب و عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں نسطورین فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ اسلام کے سایہ میں آکر مخالفوں کے ظلم سے بچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقوں کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آگئی۔ روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوتی جاتی تھی۔

یورپین مؤرخین کی رائے کی غلطی

یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں۔ لیکن جس قدر واقعیت ہے اس سے زیادہ

طرز استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے بے شبہ اس وقت فارس و روم کی طاقتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں۔ لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پر زور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں نہ یہ کہ عرب جیسی بے سر و سامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جاتیں۔ روم و فارس گو کسی حالت میں تھے تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جو اب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک ان کا عملی رواج رہا۔ اس کے ساتھ رسد کی فراوانی سر و سامان کی بہتات آلات جنگ کے تنوع فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شان و شوکت کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور برابر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لے لئے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے۔ اتنے تھوڑے عرصے میں اتنی قوم اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی۔ البتہ تخت نشینوں کی ادل بدل سے نظم میں فرق آ گیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ فوج اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس لئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزدکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا۔ لیکن ہم کو تمام تاریخ میں ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نسطوریہ کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ خود یورپین مؤرخوں نے ہمیں نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو عراق و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال تھا کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے تعبیہ کے طریقہ پر صف آرائی کی۔ خود زرہ چہار آئینہ جوشن بکتر پا تابہ جیسی چیزوں سے نا آشنا تھے جو ہر ایک سپاہی کا لازمی لباس ہے۔ بہت کم عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب کا اس وقت تک ایجاد نہیں ہوا تھا [illegible]

لوہے کے بجائے لکڑی کی ہوتی تھی۔ آلات جنگ میں گرز کمند سے عرب بالکل آشنا نہ تھے تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادسیہ کے معرکے میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل ان کو دیکھا تو سمجھا کہ تکلے ہیں۔

فتوحات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی۔ اور جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ روم اور فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اس کی ٹکر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور چیزیں بھی مل گئی تھیں۔ جنھوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی اور دیانتداری تھی۔ جو ملک فتح ہوتا جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکہ میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکار کر "خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے۔" اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ "ہمارے جیتے جی قیصر یہاں نہیں آسکتا۔"

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی۔ اس لئے رومیوں نے جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا ان کے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑا تو آگے مطلع صاف تھا۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں سلطنت کے نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے۔ وہ سلطنت کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کے لئے لڑتے تھے یہی وجہ تھی کہ پایۂ تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں لیکن عام رعایا یہاں بھی ستم رسیدہ اور پامال تھی۔ اور اس لئے فتح کے بعد نئی حکومت میں ان سے سہولت ملی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا اور دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام

قیصر کا محکوم تھا۔ عراق میں لخمی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے سکندر اور چنگیز و تیمور کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے[1] بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم اور قتل عام کی بدولت چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔

سکندر و تیمور کی فتوحات کا موازنہ

سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اس کے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے ان میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح کی اور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کی بقا نہیں۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیرپا نہ ہو سکیں لیکن فوری فتوحات کے لئے اسی قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ چنگیز، بخت نصر، تیمور، نادر جتنے بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات میں کبھی سرمو قانون انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا آدمیوں کا قتل عام ایک طرف، درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا تھا دشمن سے کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام دیئے جاتے تھے

---

[1] تکمیل کے لیے۔ ایضاً ہم نے ان کے نام بھی تمثیل سے لکھے ہیں۔

لئن قاتلوکم فلا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدًا

(کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰)

"یعنی دشمن تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک کان نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔"

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لے کر درگزر کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب عربسوس والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دے دیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ جدھر سے ان لوگوں کا گذر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دی جائے اور جب کسی شہر میں قیام پذیر ہوں تو ایک سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گذرے ہیں ان کو یہ دکھانا چاہیئے کہ اس احتیاط، اس قید، اس پابندی، اس درگذر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔

اس کے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ اس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہاتھ آتا تھا۔ فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں۔ البتہ ان کی باگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ایک اور صریح فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گذرنے والے بادل کی طرح تھیں ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کئے وہاں کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا۔ برخلاف اس کے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اس وقت فتح ہوئے تھے تیرہ سو برس گذرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص

اخیر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چنداں تحقیق نہ تھی۔ اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش و اثر بے شبہ برقی قوتیں ہیں۔ لیکن یہ قوتیں اسی وقت کام دے سکتی ہیں جب کام لینے والا بھی اسی زور قوت کا ہو۔ قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقیں، بارکوں کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کا تعین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظامات خود ایجاد کئے اور ان کو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کرو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینہ سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں۔ جس قدر افسر جس جس کام پر مامور ہوتے تھے ان ہی کے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اسی کے اشاروں پر ہوتا ہے۔ ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے۔ ایک نہاوند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبجات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک

میں آگ لگا دی تھی۔ اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی۔ ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن تدبیر تھی، جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا۔ اور دوسری طرف ایک کوہ گراں کے پرخچے اڑا دیئے چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔

ان واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گزرا جو فتوحات اور عدل دونوں کا جامع ہو۔

نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پڑی۔ لیکن حکومت کا دور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو سالہ خلافت میں اگرچہ بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ ہوا۔ یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بیرونی فتوحات شروع ہو گئیں۔ تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا۔ اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آ چکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اس کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا لیکن ایسے موقع پر صرف اس ایک بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے ملتا تھا۔ یعنی سلطنت کا میلان ذاتی اختیار پر تھا یا عام رائے پر۔

جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہو گا اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہو گا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا صرف ایک ممبر رہ جائے برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دار و مدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بنا پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

① بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام آئیں۔ صرف چند ارکان

سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے۔

(۲) چونکہ بجز چند عہدہ داروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔

(۳) مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے ان کو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی کہ خود ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔ چونکہ بجز چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کارناموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں۔ اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے اس بناء پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری کی شخصی بحث ہو' اس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں تھیں یمنی' حمیری' غسانی لیکن یہ سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار جمہوری اصولوں پر انتخاب کئے جاتے تھے لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا۔ گو ان کا انتخاب کثرت رائے سے ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

فلا یغترن امرؤ ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وتمت الا
وانہا قد کانت کذالک لکن اللّٰہ وقی شرھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گردو پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ شخصی سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے

جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور گرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں، سب وجود میں آ گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)

ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا۔ یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آ سکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی مہاجرین و انصار۔

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ

مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضروری تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے۔ تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس میں شامل تھے۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۲۷۴۵)

مجلس شوریٰ کے جلسے

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا جلسہ عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پایا جاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کو جاگیر میں دے دیئے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں تمام قدمائے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں پانچ شخص قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے[1]۔

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۴ مطبوعہ مصر۔

شریک ہوئے کئی دن تک مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تقریر کی جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لم ازعجکم الا لان تشترکوا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم ولست ارید ان تتبعوا ھذا الذی ھوای۔

۲۱ ہجری میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سروسامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں۔ اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقع جنگ پر نہ جائیں اسی طرح فوج کی تنخواہ دفتر کی ترتیب، عمال کا تقرر، غیر قوموں کی تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص۔ اسی قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت تاریخوں میں بہ تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے ان امور کے پیش ہوتے وقت ارکان مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرمایا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

لا خلافة الا عن مشورة (کنز العمال بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۹)

ایک اور مجلس

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا، لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے

۱۔ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۴ تا ۱۷ میں ہے۔

تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اسی میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

> **للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه ويحدثهم عما ينتهي اليه من أمر من أمر الآفاق فقال يوماً ما أدري كيف اصنع بالمجوس۔**

عام رعایا کی مداخلت

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے حاکم رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آیا تھا کوفہ بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص کا انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانتدار اور قابل ہوں۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد بصرہ سے حجاج بن علاط شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسفؒ صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

> **كتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة يبعثون اليه رجلاً من اخيرهم واصلحهم والى اهل البصرة كذالك والى اهل الشام كذالك قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن فرقد وبعث اليه اهل الشام معن بن يزيد وبعث اليه اهل البصرة الحجاج بن علاط كلهم سلميون قال فاستعمل كل واحد منهم على خراج ارضه** (کتاب الخراج صفحہ ۶۳)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب

لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کردیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور داد رسی ہوتی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کردیا تھا۔ یہاں تک کہ تمام اس کے لئے مجمع عام میں خطبے پڑھے۔ فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمال سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کرکے اس کا اعلان کیا جس کی پوری تفصیل عمال کے بیان میں آچکی ہے۔

خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو، ملک کی آمدنی میں سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی حالت سے حیثیت کا پتہ چل نہ پائے۔ اس کے اختیارات محدود ہوں، ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچ گئے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کردیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے اور ان کے کیا اختیارات ہیں۔ ایک موقع پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی اس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں۔

> انما انا ومالکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف لکم علی ایها الناس خصال فخذونی بها لکم علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم ولا مما افاء اللہ علیکم الا من وجهه ولکم علی اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی حقه ولکم علی ان ازید فی عطایاتکم واسد ثغورکم

ولکم علی ان لا القیکم فی المھالک (کتاب الخراج صفحہ [illegible])

"مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں، اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں، جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہئے" "ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے" "ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہ ہونے پائے" "ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں" ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں"۔

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہا کہ **اتق اللہ یا عمر** یعنی "اے عمر خدا سے ڈر"۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "نہیں کہنے دو اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں" "اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم۔" ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیسائیوں کی سفارشات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومت جمہوری کی اصلی تصویر ہے اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جا سکتی۔

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ اس کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی و تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے۔ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لئے کافی ہوتا ہے پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے پڑھنے اور دیگر ضرورت کے لئے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہیں یہی حالت بالکل سلطنت

کتاب الخراج صفحہ

کی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظامات کے تمام صیغے ملے جلے رہتے ہیں جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ جرائم کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے۔ الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو سو برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزیکٹو اختیارات اب تک ملے جلے ہیں۔ یعنی حاکم ضلع مال گزاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے اور تعمیر آئینی اضلاع میں تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا۔ اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے۔ تاہم انہوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کر کے جداگانہ محکمے قائم کیے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ملک کی تقسیم صوبجات اور اضلاع عہدیداران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سنگ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں۔ ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے جن کو صوبہ، ضلع اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی ابتداء کی اور اس زمانے کے موافق نہایت موزوں اور تناسب سے اس کے حدود قائم کیے۔ تمام مورخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبوں میں تقسیم کیا۔

حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے

مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے ۸ گنوائے یہ صوبے لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۰ ہجری میں کیا تھا مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے۔ لیکن اس میں ایک اجمال ہے۔ جس کی تفصیل بتا دینا ضروری ہے فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی اس کے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس، خوزستان، کرمان وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے ان کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبہ

یا ضلعے تھے اکثر جگہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح رہنے دیئے اس لئے مؤرخین نے ان کا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کئے ان کا ذکر ضرور تھا اور وہ یہی ۸ تھے لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کئے تھے۔ فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اس میں ۱۵ ضلعے شامل تھے ۱۵ ہجری میں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیئے ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا۔ اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین کیا۔ مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جس کو عرب صعید کہتے ہیں اور جس میں ۲۸ ضلعے شامل تھے۔ ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبداللہ بن سعد ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اور نشیبی حصہ میں ۱۵ ضلعے شامل تھے اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صوبے

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیئے تھے اس لئے صرف یہ بتا دینا کافی ہے۔ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔

مؤرخ یعقوبی (تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۰۲ جلد اول) نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

خراسان: اس میں حسب ذیل اضلاع شامل تھے۔

نیشاپور، ہرات، مرو، مرورود، فاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، بادغیس، باورد، غرجستان، طوس، سرخس، جرجان۔

آذربیجان: اس میں حسب ذیل اضلاع شامل تھے۔

طبرستان، رے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان، نہاوند، دینور، حلوان، ماسبذان، مہرجان قذق، شہرزور، صامغان، آذربیجان۔

۱؎ طبری صفحہ ۲۴۰۳ و ۲۴۰۴۔ ۱۲۱۔ عبارت یہ ہے فصارت فلسطین نصفین نصف مع اہل ایلیاء ونصف مع اہل الرملۃ وھی عشر کور وفلسطین تعدل الشام کلھا وفرق فلسطین بین علقمۃ بن حکیم وعلقمۃ بن مجزز فنزل کل واحد منھما فی عملہ۔

فارس: اس میں حسب ذیل اضلاع شامل تھے۔

اصطخر، شیراز، توبند جان، جور، کازرون، فسا، دارابجرد، اردشیر خرہ، سابور، اہواز، جندیسابور، سوس، نہر تیری، مناذر، تستر، ایذج، رام ہرمز۔

صوبوں کے افسر

صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میر منشی، کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میر منشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر، صاحب احداث یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور، منصف۔ چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی، عثمان بن حنیف کلکٹر، عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن خلف خزاعی کاتب دیوان تھے۔ ہر صوبے میں ایک فوجی افسر ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبہ کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا۔ مثلاً عمار بن یاسر جس وقت کوفہ کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ بحرین میں قدامہ بن مظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اس کے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے۔ عمار بن یاسر کو جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو دس معزز آدمی ان کے اسٹاف میں رہے۔ جن میں ایک قرظہ خزرجی بھی تھے۔ (اسد الغابہ تذکرہ قرظہ)

میر منشی قابل تحریر یافتہ لوگوں میں منتخب ہوتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا۔ جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اس کے علم کے نیچے آ جاتا۔

اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر کے ماتحت اور اس کے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور ان کے ساتھ اس کا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدیداران کا انتخاب اور ان کی کاروائی کا دستور العمل بنانا تھا۔ کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کیسی ہی قوت تدبیر کا حامل ہو۔ لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدیداران ملکی قابل، لائق، دیانتدار اور

۱۔ طبری، ۲۷۲۲، ابن خلدون صفحہ ۲۲۔

قدردان نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے ملک کو بھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جوہر شناسی

اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی۔ یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہ کو پہنچ جاتے تھے اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا۔ یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائیں۔ زیاد ان کے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا۔ اس لئے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا لیکن اس کی قابلیت اور استعداد کی بناء پر ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کار بنائیں[1] فن حرب میں عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا۔ کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے[2]۔ عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "میں" یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے ان کی اس قابلیت پر ان کا خاص خیال ہوا۔ اور جیسا کہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میر منشی مقرر کیا۔

نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مغیرہ بن شعبہ۔ [2] استیعاب قاضی ابن عبدالبر طبع دکن صفحہ ۲۰۰۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے بالاتفاق کہا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا۔ اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "یہ انتخاب بالکل بجا ہے" عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے۔ اور زہد و تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے' قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا تو معزول کر دیا اور ان کے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزوں نہ تھے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ جن کا استقصاء نہیں کیا جا سکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر نظر کر حکومت کی کل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔ تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ "اگر لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا"[1] حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ "ہم آپ کو مدد دیں گے" لیکن اس وقت ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقویٰ کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "اے عمر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں"۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں بیش مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں"[2] غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی رائے اور مشورت سے نہایت دیانتدار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور ان کو ملکی خدمتیں سپرد کیں۔

عہدیداروں کے مقرر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ

اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے سے ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلعے کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ قابل ہو اس کا انتخاب کر کے بھیجیں۔ چنانچہ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۱۵ اصل عبارت یہ ہے۔ ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال ان لم تعینونی من یعیننی الخ۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۳۔

انہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے۔ عثمان بن فرقد، معن بن یزید، حجاج بن علاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کیے گئے تھے چنانچہ ہم اس کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

تنخواہ کا معاملہ

ایک وقت یہ تھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہٖ اسی طرح جس طرح آجکل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرہ لیں تو ان کو نہایت ناگوار ہوگا۔ لیکن نذر و نیاز کے نام سے جو رقمیں ملتی ہیں اس سے ان کو احتراز نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے۔ لیکن یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں۔ ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا۔ حکیم بن حزام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی وظیفہ یا روزینہ لینا گوارا نہ کیا۔

(کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۲۳)

عاملوں کے فرامین میں ان کے فرائض کی تفصیل

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا۔ اس کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا۔ جس میں اس کی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی۔ عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے۔ چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اس کے متعلق خطبے دیئے۔ ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا۔ عاملوں کو خطاب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

الا و انی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمۃ الھدی

۱؎ طبری صفحہ ۲۰۲ مع الفاظ۔ حذیفہ بن الیمان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔
کان عمر اذا استعمل عاملا کتب عہدہ و قد بعث فلا تعاد امرہ مکذا فیہ ثم العماتین استقبلہا العماتین

یہتدی بکم فادروا علی المسلمین حقوقہم ولا تضربوہم فتذلوہم ولا تحمدوہم فتفتنوہم ولا تغلقوا الابواب دونہم فیاکل قویہم ضعیفہم ولا تستاثروا علیہم فتظلموہم

"یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو، ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں، ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں، ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے"۔

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے ایک بڑے گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے جس سے یہ مقصود تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا تھا۔ اس کی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے۔

عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کی جاتی تھیں۔ ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔

عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا۔ اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی۔ تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ میں ہے کان عمر اذا استعمل رجلا اشہد علیہ رھطا من الانصار۔

[2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔

[3] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ میں ہے کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عمالہ اذا ولاھم ثم یقاسمہم ما زاد علی ذلک۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کی موجودات کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر دیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں۔

ابلغ امیرالمومنین رسالة
فانت امین اللہ فی المال والامر
فلا تدعن اهل الرساتیق والقری
یسیغون مال اللہ فی الادم الوفر
فارسل الی الحجاج فاعرف حسابه
وارسل الی جزء وارسل الی بشر
ولا تنسین النافعین کلیهما
ولا ابن غلاب من سراة بنی نصر
وما عاصم منها بصفر عیابه
وذاک الذی فی السوق مولی بنی بدر
وشبلا فسله المال وابن محرش
فقد کان فی اهل الرساتیق ذاذکر
نؤوب اذا ابوا ونغزوا اذا غزوا
فانی لهم وفر ولسنا اولی وفر
اذا التاجر الداری جاء بفارة
من المسک راحت فی مفارقهم تجری

زمانۂ حج میں تمام عاملوں کی طلبی

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں۔ حج کی تقریب سے پہلے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر اعلان کرتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو تو پیش کرے۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ "صاحبو! عمال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے

ے تاریخ طبری صفحہ ۲۷۸۰ میں ہے وکان من سنة عمر و سیرته ان یاخذ عماله بموافاة الحج فی کل سنة للسیاسة و لیحجزهم بذلک عن الرعیة و لیکون لشکاة الرعیة وقت و غایة ینهونها فیه الیه

ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ تم کو پیٹیں یا تمہارا مال چھین لیں بلکہ میں ان کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو تا کہ میں اس کا انتقام لوں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ "اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اس کو سزا دیں گے؟" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا۔ خبردار مسلمانوں کو مار کر ذلیل نہ کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے نہ ان کے حقوق تلف کرو ورنہ کفران نعمت پر مجبور ہوں گے۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے ایک شخص اٹھا اور کہا کہ "آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں" عمرو بن العاص نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک کوڑے کے عوض میں دو دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔

(کتاب الخراج صفحہ ۶۶)

عاملوں کی تحقیقات

وقتاً فوقتاً عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں ان کی تحقیقات کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا جس پر محمد بن مسلمہ انصاری مامور تھے۔ یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے تھے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے۔ ان وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا۔ جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہی تحقیقات پر مامور ہوتے تھے اور موقع پر جا کر مجمع عام میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے ۲۱ ہجری میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے ایران کی مہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

۱؎ اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ میں ہے وهو كان صاحب العمال لعمر كان عمر اذا شكى اليه عامل ارسل محمداً لكشف الحال وهو الذي ارسله عمر الى عماله ليأخذ شطر اموالهم لثقته۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عمر کی جانب سے محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے۔

عنہ کے پاس جا کر شکایت کی یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج سے کر نہاوند کے قریب آ پہنچے تھے مسلمانوں کو سخت تردد تھا۔ اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پر خطر وقت ہے۔ تاہم یہ تردد مجھ کو سعد بن ابی وقاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا۔ انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں سے اظہار لئے اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کا اظہار لیا۔ (یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۳۳۳ تا ۲۳۳۴ میں ہے۔ صحیح بخاری میں بھی اس واقعے کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۳۰۳ مطبوعہ میرٹھ)

کمیشن

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات ابتداءً عامل کو معزول کر کے براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور اکثر یہ اس وقت ہوتا تھا جب کہ عامل صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی نسبت جب شکایت گذری تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا۔ اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کیں الزامات یہ تھے

① ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسیران جنگ میں سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہیں۔

② ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی ایک غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں آ سکتی۔

③ کاروبار حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سفید کا مالک ہے۔

تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا۔ تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست و تدبیر کا آدمی ہے۔ اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا۔ تو حقیقت میں قابل آدمی تھا۔ اس لئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں۔ دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب

تو دے گئے بچے لونڈی ان سے چھین لی گئی۔ (طبری صفحہ ۲۰۲۱، جلد ۵)

عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا غرور و فخر ثابت ہوتا تھا۔ سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اس کے دربار میں بار نہیں پاتا تو وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۶۶)

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ "عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا عاملوں کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے ڈیوڑھی پر دربان مقرر ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا۔ اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرتہ اتروا کر کمل کا کرتہ پہنایا۔ اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ "جنگل میں لے جا کر چراؤ"۔ عیاض کو انکار کی تو مجال نہ تھی۔ مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "تجھ کو اس سے عار کیوں ہے تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا"۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۶۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ میں اپنے لئے محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگی۔ محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد بن ابی وقاص چپکے دیکھتے رہ گئے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت و ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے۔ وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست و بازو یعنی ارکان سلطنت اسی رنگ میں ڈوبے نظر آئیں۔ عام آدمیوں کو اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں۔ ان کے افعال کا اثر بھی انہیں تک محدود رہے گا۔ لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرز معاشرت کا اثر ہوتا

لوگوں کے دل میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں۔ اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں پولیٹکل مصالح سے خالی نہ تھیں۔ مساوات اور عدم ترجیح جس کو آج کل اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں۔ عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہو گی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے ورنہ امیر معاویہ شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خدم و حشم دیکھ کر اس قدر کہا کہ اکسرویۃ؟ یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب و داب نہیں قائم رہ سکتا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں جس کی وجہ سے رشوت اور خیانت ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور نقدی گراں تھا تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔

(استیعاب قاضی ابن عبدالبر [illegible] معاویہ جلد ۲ صفحہ ۱۲)

اب ہم عمال فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پرزے استعمال کئے تھے۔

نام	مقام مامورت	عہدہ	کیفیت
ابوعبیدہؓ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں
یزید بن ابی سفیانؓ	شام	والی	تمام بنو امیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا۔

امیر معاویہؓ	شام	والی	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاصؓ	مصر	والی	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاصؓ	کوفہ	والی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوانؓ	بصرہ	والی	مہاجرین میں سے ہیں بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابو موسیٰ اشعریؓ	بصرہ	والی	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسیدؓ	مکہ معظمہ	والی	آنحضرتؐ نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبد الحارثؓ	مکہ معظمہ	والی	فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاصؓ	مکہ معظمہ	والی	ابو جہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاصؓ	طائف	والی	آنحضرتؐ کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما تھا۔
یعلی بن امیہؓ	یمن	والی	صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے۔
علاء بن الحضرمیؓ	یمن	والی	بڑے صاحب اثر تھے آنحضرتؐ نے ان کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمانؓ	مدائن	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیفؓ	اضلاع فرات	کلکٹر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
عیاض بن غنمؓ	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا۔
عمیر بن سعدؓ	حمص	والی	حضرت عمرؓ ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔
حذیفہ بن الیمانؓ	مدائن	والی	مشہور صحابی اور آنحضرتؐ کے راز دار تھے۔
نافع بن عبد الحارثؓ			بڑے خاندان کے آدمی تھے۔
خالد بن حرث ہمدانی	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرہ بن جندبؓ	سوق الاہواز		اکابر صحابہ میں ہیں۔
نعمان بن عدیؓ	میسان		صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔
عرفجہ بن ہرثمہؓ	موصل	کلکٹر مالگذاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

صیغۂ محاصل

خراج

خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا

؎ خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا۔ اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیئے تھے۔ لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اس لئے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی زمین پر عشر مقرر کر دیا۔ جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے۔ لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا۔ بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی ۱۶ھ ہجری میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا۔ اور اس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلہ فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں۔ اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کی مردم شماری کے لئے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور کل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا۔ تو ایک ایک مسلمان کے حصے تین تین کوئی پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے عبدالرحمٰن بن عوف

؎ طبری صفحہ ۲۳۷۲ و فتوح البلدان صفحہ ۲۶۸ و کتاب الخراج صفحہ ۱۳

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اہل فن کے ہم زبان تھے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر کد کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دق ہو کر فرمایا **اللّٰھم اکفنی بلالاً** یعنی ”اے خدا مجھ کو بلال سے نجات دے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو قبضے کا بھی حق ہے آئندہ نسلیں مفت کیونکر پا سکتی ہیں۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کا جمہوری طریقہ تھا۔ یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا۔ اس لئے عام اجلاس ہوا۔ جس میں تمام قدماء مہاجرین و انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے سردار وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفعتہً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو بحث کے لئے نص قاطع تھی یعنی **للفقرآء المھٰجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم الخ** اس آیت کے آخر میں فقرہ **والذین جآءو من بعدھم** ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر نہایت پر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اٹھے کہ ”بے شبہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے“[1] اس استدلال کی بناء پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کے ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کے ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بیدخل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۴

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مال گزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر ایک قسم کی مزروعہ زمین پر ایک خاص شرح سے لگان مقرر تھے۔ جو تین قسطوں میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا۔ اور نوشیرواں نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نوشیرواں تک تعین لگان میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ لیکن خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا۔ اور یزدگرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لئے چونکہ دیانت کیساتھ مساحت سے واقف ہونا ضرور تھا اور عرب میں اس قسم کے فنون اس وقت تک رائج نہ تھے اس لئے فی الجملہ دقت پیش آئی۔ آخر دو شخص انتخاب کئے گئے۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان۔

افسران کا بندوبست

یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے دست مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمائش کا کام جاری رہا۔

عراق کا کل رقبہ

کل رقبہ طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۳۲۰ یعنی کل ۱۲۰۰۰۰ میل مکسر ٹھہرا۔ اور پہاڑ صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔

۱؎ کتاب الاوائل ذکر اول من [illegible] اول من وضع الخراج۔

(۱) خاندان شاہی کی جاگیریں (۲) آتش کدوں کے اوقاف (۳) لاوارثوں (۴) مفروروں اور (۵) باغیوں کی جاگیریں (۶) وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں۔ (۷) دریا برد۔ (۸) جنگل۔ اور تمام زمینوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالصہ قرار دے کر ان کی آمدنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ (۷۰۰۰۰۰۰) تھی رفاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو دے دی گئی۔ اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کی شرح

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگھہ	۴ درہم سالانہ
جو	//	۲ درہم سالانہ
نیشکر	//	۶ درہم سالانہ
روئی	//	۵ درہم سالانہ
انگور	//	۱۰ درہم سالانہ
نخلستان	//	۱۰ درہم سالانہ
تل	//	۸ درہم سالانہ
ترکاری	//	۳ درہم سالانہ

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا۔ یعنی گیہوں پر فی جریب ۴ درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے

عراق کا خراج

افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو۔ فی جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸ کروڑ ۶۰ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیمائش کے قطعات مختلف لیاقت کے تھے اس لئے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا۔ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی اس سے زیادہ

مالکان اراضی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ابھی اس قدر اور گنجائش ہے۔ (کتاب الخراج صفحہ :

زمیندار اور تعلقہ دار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے جس خیال سے یہ بندوبست کیا گیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نوشیرواں کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں۔ تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعۃً زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقی

چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ تیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالہائے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ احتیاط تھی۔

ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جاتا

کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتبر اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔ (کتاب الخراج

قاضی کی اصل عبارت یہ ہے ان عمر بن الخطاب کان یجبی العراق کل سنۃ مائۃ الف الف اوقیۃ ثم یخرج الیہ عشرۃ من اهل الکوفۃ وعشرۃ من اهل البصرۃ یشهدون اربع شهادات باللہ انه من طیب ما فیه ظلم مسلم ولا معاهد۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن جس قدر مال گزاری ان کے عہد میں وصول ہوتی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جس قدر خراج وصول ہوا زمانہ بعد میں کبھی نہیں ہوا

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ حجاج پر خدا لعنت کرے کمبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ عمر بن الخطاب نے عراق کی مالگزاری ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی، زیاد نے ۱۰ کروڑ ۱۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف ۱ کروڑ ۸۰ لاکھ وصول کئے۔ مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کروڑ ۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی۔ بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کردی، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا، ٹالومیز (بطالسہ) نے بھی قائم رکھا اور رومن ایمپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقہ ادا کے متعدد اصول یہ قرار دیئے تھے

مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد مال گزاری

(۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقوں سے وصول کیا جائے

(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے

(۳) بندوبست چار سالہ ہو۔ موسیو FRVAN BERGHO نے ایک کتاب فرنچ زبان میں مسلمانوں کے قانون مال گزاری پر لکھی ہے یہ حالات میں نے اسی کتاب سے لئے ہیں۔ آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے آئیں گے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے

---

۱ معجم البلدان ذکر سواد

(LAPROPRIE TF TERRITORIAL ETC' IMPOT FONCIER SONSLES PREMIERS CALIFES)

رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں وہ تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدار کثیر پایہ تخت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لئے یہیں سے غلہ جاتا تھا۔ جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی

یورپ کے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اسی اصول کے موافق بھیجا گیا۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام الرمادہ میں مصر سے غلہ گیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی۔ لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا۔ کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کی ہے۔ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ ہو گیا تو حرمین کے لئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لئے غلے کھتیوں کا بھی انتظام کیا تھا۔ لیکن یہ وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر میں وصول مالگزاری کا طریقہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مالگزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار دریائے نیل کی طغیانی پر ہے اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

ا۔ حسن المحاضرہ صفحہ ۸۳۔

چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لئے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط کے حساب سے ان کا کام چل سکے۔

بہرحال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مالگذاری کے وصول کا طریقہ تھا کہ جب مالگذاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عراف طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا، جس میں مقامی زمیندار اور کھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں پر پھیلا دی جاتی تھی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اول گرجاؤں اور حماموں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا اس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی جو گاؤں پر جمع تشخیص ہوتی تھی۔ پڑتے سے اس کا ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا (مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے۔ دیکھو کتاب مذکور صفحہ [illegible] علامہ بشاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ [illegible] سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے)

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضیٰ تھا۔ اور مصر میں یہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔ لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ قرار دی گئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

مصر کا کل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ جس کے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا۔ ابو حوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیے میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے۔ لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پہلے سال ۲۰ کروڑ وصول کئے تھے۔ عمرو بن العاص سے باز پرس کی۔ یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور تھا۔ اس لئے

عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی[1] تھا۔ اس کے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہرحال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی زمانہ بعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوا۔

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں

ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری تو ۳۰ لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئے البتہ حضرت عثمان کے زمانے میں عبد اللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کئے تھے لیکن جب حضرت عثمان نے عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا ہے تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ "ہاں! لیکن بچہ بھوکا رہا"۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۵۰ لاکھ دینار تھی[2] لیکن فاطمیین کے عہد میں خلیفہ المعز لدین اللہ کے گورنر نے باوجود یہ کہ لگان کی شرح دوگنی کر دی۔ تاہم ۳۰ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے (کتاب الخراج صفحہ ۱۵۱ ابن حوقل ذکر مصر)

شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک محروسہ میں قائم کیا تھا۔ اس نے پیداوار کے اختلافات کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کیے تھے یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک یہی ان تمام ممالک میں جاری رہا تھا۔ قرائن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کی طرح یہاں بھی یہی قدیم قانون جاری رہنے دیا[3] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی کل تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار یعنی ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ روپے تھی۔

---

[1] دیکھو مقریزی صفحہ ۹۹ جلد اول۔ [2] معجم البلدان ذکر مصر و مقریزی جلد اول صفحہ ۹۸۔
[3] دیکھو مسٹر ڈومبر فرانسیسی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مالگزاری۔

عراق، مصر، شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیہ وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مؤرخین ان ملکوں کے حالات میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اس کی تعداد لکھ دی ہے۔ باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اس لئے ہم بھی اس کی چنداں پروا نہیں کرتے۔

قانون مالگزاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑتی ہے کہ اس صیغے میں حکومت فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں لہٰذا ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعتہً نہایت ترقی کر گئی، یہ تھی کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ اراکین دربار کو دے دیں۔ کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں۔ کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے۔ اور اگر مالک زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے متمتع ہونے کے لئے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی۔ اس بہانے سے زمیندار خود زمین پر متصرف ہو جاتے تھے۔ اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے۔ اور جو رہ گئے ان کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام اراضیات کو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے باشندگان ملک کے حوالے کر دیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں، قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان

زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا۔ چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی۔ تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید، ابن لہیعہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔ (حسن المحاضرہ صفحہ ۱۰۳)

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا۔ جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی۔ کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی۔ اس لئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدوان کی برابری نہیں کر سکتے تھے سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مال گزاری کے معاملہ کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا۔ مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی۔ دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی یعنی ان کو زراعت اور فلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے عرب کے اصلی جوہر دلیری، بہادری، جفاکشی، ہمت، عزم اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری

۱؎ مقریزی صفحہ ۲۱۵۔

اور زمینداری سے الگ رہے جس دن انہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا۔ اسی دن یہ تمام اوصاف بھی ان سے رخصت ہو گئے۔

بندوبست مال گذاری میں ذمیوں سے رائے لینا

اس معاملے میں ایک اور نہایت انصاف کا اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی ہوں۔ پیمائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور ان کے اظہار لئے۔ (کتاب الخراج صفحہ)

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اظہار لیا۔ یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا۔ اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہئے جن کا بیان ہم بندوبست کے شعبہ میں کر آئے ہیں۔

ترقی زراعت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے گا اس کی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی۔ اس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لئے اشتہار دے دیا کہ واپس آ جائیں اور اپنی زمینوں پر قابض ہوں۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے آ کر شکایت کی

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔ ۲۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۷۷ تا ۷۸۔

کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج ادھر سے گزری اور اس کو برباد کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوا دیئے۔ تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں۔ بند باندھے۔

محکمہ آبپاشی

تالاب تیار کرانے، پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہروں سے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا تھا۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزء بن معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں۔ جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سینکڑوں نہریں تیار ہوئیں۔ جن کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

خراجی اور عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم تھی۔ یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان اوپر گزر چکا۔ عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی۔ اور جس کے اقسام حسب ذیل ہوتے تھے۔

① عرب کی زمین جس کے باشندے اوائل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

② جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی۔ مثلاً لاوارث مر گیا۔ یا مفرور ہو گیا۔ یا بغاوت کی یا استعفیٰ دے دیا۔

③ جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

اس قسم کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا۔ وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا۔ اس لئے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی۔ جس کی مقدار اصلی پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ کتاب الخراج صفحہ ۔ ۲؎ مقریزی صفحہ جلد اول۔

نے مقرر فرمائی تھی۔ اور وہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کیا چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان نئی نہر کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایۃً عشر مقرر کیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۳۵ تا ۳۴)

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ، گھوڑوں پر زکوٰۃ، روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولات سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس بنا پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں تھی اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی۔ اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج و عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے۔
زکوٰۃ، عشور، جزیہ، مال غنیمت کا خمس۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی، یعنی مسلمانوں کی کسی قسم کی جائداد یا نقدی اس سے مستثنیٰ نہ تھی، یہاں تک کہ بھیڑ بکری اونٹ سب پر زکوٰۃ تھی۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں

گھوڑوں پر زکوٰۃ

پر زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے

مستثنیٰ فرمایا تھا۔ لیکن اس سے معاذاللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے اس لئے ان کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہرحال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی۔ اور اول اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔

عشور

عشور خاص بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجروں کو جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ عیسائیوں نے جو اب تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا۔ اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا۔ یعنی حربیوں سے دس فیصد ذمیوں سے پانچ فیصد مسلمانوں سے اڑھائی فیصد لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قائم کر دیا۔ جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا۔ اور اس کی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی۔ یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔ جزیے کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

صیغۂ عدالت

محکمۂ قضاء

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغۂ عدالت' انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے۔ مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک خود خلیفۂ وقت اور افسران ملکی قضاء کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء میں یہ طریق قائم رکھا اور ایسا کرنا ضروری تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا، ہر صیغے کا اجراء رعب و داب کا محتاج رہتا ہے اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ جو شخص باثر اور صاحب عظمت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے (اخبار القضاۃ محمد بن خلف الوکیع) بلکہ اسی بناء پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاء کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔ اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں۔ اور قاضی مقرر کئے اس کے ساتھ قضاء کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغۂ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اس کو بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ [illegible] مباحث کے دائرے کا ایک قاعدہ جو بڑے بڑے منافر

۱۔ اس فرمان کو علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں اور علامہ بیہقی و ماوردی وغیرہ نے [illegible] سے [illegible] اور جاحظ نے [illegible] نقل کیا ہے۔ [illegible] یورپ نے [illegible] فرمائیے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کرکے [illegible] سلطنت کے لئے ایک مستقل قانون بنایا گیا [illegible] اور ہدایات وہیں آکر ایک دستور العمل تیار کیا۔ جس میں بارہ اصول انتظامی پر [illegible] قاعدے تھے۔ یہ تمام قواعد [illegible] کئے گئے تھے اور [illegible] ایک [illegible] قانون ہوا۔ اس میں صیغۂ قضاء کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) جب [illegible] عدالت میں طلب کئے جائیں تو پورا فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔ (۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو [illegible] وہ جبراً حاضر کیا جا سکے۔ (۳) مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو [illegible] سکتے ہیں۔ (۴) مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو [illegible] اس کو سواری [illegible] حاضر [illegible] کے [illegible] کیا جا سکے۔ (۵) مدعا علیہ [illegible] تو [illegible] اس کو [illegible] (۶) [illegible] (۷) جج کو فریقین کے اتفاق سے [illegible]

خیال نہ ہوتے ہیں اور جن کی نسبت تیرہ سو برس کا مشہور تجربہ ثابت ہے کہ یہ قوانین تمام قانونی قوموں کی تصنیفات سے بہتر ہیں۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔

ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بعینہ ذیل میں درج ہے۔

اما بعد فان القضاء فریضة محکمة و سنة متبعة سوّ بین الناس فی وجهک و مجلسک و عدلک حتی لا ییأس الضعیف من عدلک ولا یطمع الشریف فی جعلک البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر والصلح جایز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا لا یمنعک قضاء قضیته بالامس فراجعت فیه نفسک ان ترجع الی الحق الفهم الفهم فیما یتلجلج فی صدرک مما لم یبلغک فی الکتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلک واجعل لمن ادعی بینة امدا ینتهی الیه فان احضر بینة اخذت له بحقه والا وجهت القضاء علیه والمسلمون عدول بعضهم علی بعض الا مجلودا فی حد مجربا فی شهادة الزور او ظنینا فی ولاء او قرابة۔

"قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور زور آور کو تمہاری رو رعایت کی امید نہ پیدا ہو۔ جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد

[illegible]

> اس سے رجوع کر سکتے ہو جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کرو اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ۔ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان ثقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنھوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں"۔

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہئے۔
(۲) بار ثبوت مدعی پر ہے۔
۳ مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔
(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔
(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔
(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہئے۔
(۷) تاریخ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصل کیا جائے گا۔
(۸) ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے۔ لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

صیغہ قضاء کی عمدگی یعنی فصل خصومات میں پورا عدل و انصاف ان باتوں پر موقوف ہے۔

(۱) عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔
(۲) قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔
(۳) وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل خصومات میں رو رعایت نہ کرنے پائیں۔
(۴) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا مقدمات کے انفصال میں حرج نہ ہونے پائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قانون بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید

محدود تھا۔ البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لئے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔ (کنز العمال صفحہ ۱۷۴ جلد ۳ مسند دارمی میں بھی یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اس کی اصلی عبارت یہ ہے عن شریح ان عمر ابن الخطاب کتب الیہ ان جاءک شیء فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ فاقض بہا فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنۃ رسول اللہ فلم یتکلم فیہ احد قبلک فاختر ای الامرین شئت ان شئت ان تجتہد برایک ثم تقدم وان شئت ان تتاخر فتاخر ولا اری التاخر الا خیرا لک۔)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتوے لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے۔ لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالۃ الخفاء وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاوے مذکور ہیں۔

قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں منتخب تھے۔ پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاتب وحی تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہیں۔ فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو منجملہ ان پانچ شخصوں کے ہیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام قرآن مجید حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا

---

[1] اخبار القضاۃ میں ہے ان عمر استعمل زیدا علی القضاء و فرض لہ رزقا۔ [2] دیکھو اسد الغابہ فی احوال الصحابہ و استیعاب قاضی ابن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الازدی۔

اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی سے الگ کر دیا۔ (استیعاب قاضی ابن عبدالبر)

حضرت عمرؓ کے زمانے کے حکام عدالت

کوفہ کے قاضی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد [illegible] ہجری میں قاضی شریح مقرر ہوئے۔ وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے۔ لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اقضی العرب کہا کرتے تھے ان بزرگوں کے سوا جمیل بن معمر الجمحی، ابو مریم الحنفی، سلمان ربیعہ الباہلی، عبدالرحمٰن بن ربیعہ، ابو قرۃ الکندی عمران بن الحصین جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے قضاۃ ہیں ان کی عظمت وجلالت شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا بھی اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے، انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حق یہی ہے کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ کعب بن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گذرا۔ تاجر زوجہ کی آمدنی کے روکنے کے لیے

---

۱ کتاب الاوائل الباب فی ذکر القضاۃ

بہت سی بندشیں کیں۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

(۱) تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی۔ اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

(۲) قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا۔ اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہوگا۔ (اخبار القضاۃ محمد بن خلف وکیع)

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا ضروری مساوات کا لحاظ ہے یعنی دیوانی عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب، شریف و رذیل سب ہم مرتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے ایک دفعہ ان میں اور ابی بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ کہہ کر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قسم لینی چاہی۔ لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر نہ ہوں تم منصب قضاء کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔"[1]

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قسم کے

---

[1] کنز العمال بحوالہ بیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۷۴

اصول اختیار کیے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابوہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردہ تھے۔ (یہ بنو امیہ کے زمانہ میں تھے)

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہیں تھا۔ اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں۔ اس لئے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے۔ اور اس بناء پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا۔

ماہرین فن کی شہادت

صیغۂ قضاء اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان ان کے اجتہادات کے ذکر میں آئے گا ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی۔ یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا تھا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ زبرقان نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ یہ شعر شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں قیافہ شناسوں سے اظہار لئے۔ چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور داد رسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا اور داد خواہوں کو دعویٰ سے باز آنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت

نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

عدالت کا مکان

لیکن مصلحت تھی کہ عدالت کے لئے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجد ہی پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیم اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا۔ عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں تاکہ اظہار مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

محکمہ افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدمہ اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہئے کہ قانون سے واقف ہے۔ یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہیں آ سکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ عقلوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ ان قوموں نے اس کے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجہ کو نہیں پہنچ سکی۔ اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا۔ جس کا نام محکمہ افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تو ان سے دریافت کر سکتا تھا۔ اور اس لئے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا نہ بعد میں نہ ان سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے مفتی

اس طریقہ کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتاء کے لئے مامور کر دیئے جائیں تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انہوں نے افتاء کی اجازت دی مثلاً حضرت علی، حضرت عثمان، معاذ بن جبل، عبد الرحمن بن عوف، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوہریرہ اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ "سابق وعظ و فتویٰ موقوف بود بر رائے خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتویٰ نمی دادند"۔

تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی انہوں نے فتوے دیئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو منع کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا۔ بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے۔ اس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا اس کا اعلان کیا۔ شام کے سفر میں بمقام جابیہ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے

> **من اراد القرآن فلیات ابیاً ومن اراد ان یسال الفرائض فلیات زیداً**
> **ومن اراد ان یسال عن الفقہ فلیات معاذاً۔**
>
> یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے"۔

۱۔ کتاب مذکور صفحہ ۲۰۔ ۲۔ [illegible] ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوجداری کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقہ قضاۃ کے ہاں فیصل ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں۔ پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا۔ چنانچہ افسران پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرین پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدامہ بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔

قدامہ کو تحصیل مال گزاری کی خدمت دی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں۔ مثلاً دکاندار ترازو میں دھوکہ نہ دینے پائیں کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ تمام امور کا کافی انتظام تھا۔ اور اس کے لئے ہر جگہ اہل کار اور افسر مقرر تھے۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا۔ وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جیل خانہ کی ابتداء کا یہ فعل عہدہ احتساب کا ماخذ ہے[1]۔

جیل خانہ کی ایجاد

اس صیغے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیل خانے بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام و نشان نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا۔ اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا۔ اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے اور جیل خانے میں بھجوائے جاتے تھے۔

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابو محجن ثقفی

---

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ [illegible] ۲۔ [illegible]

بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

جلا وطنی کی سزا

جلا وطنی کی سزا بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سزا بھی دی تھی۔ اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔

(اسد الغابہ ذکر ابو محجن ثقفی)

بیت المال (یا) خزانہ

بیت المال پہلے نہ تھا

یہ صیغہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا۔ اسی وقت لوگوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال دس دس درہم اور دوسرے سال بیس بیس درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاموال اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا۔ وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ آتا تھا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۵ ہجری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے۔ آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے؟

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟

۱۵ھ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دارالخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور چونکہ اس کی نگرانی اور حساب کتاب کے لئے نہایت عاقل اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔

بیت المال کے افسر

عبداللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے خزانہ کا افسر مقرر کیا اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کئے جن میں سے عبدالرحمٰن بن عبید القاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ و معیقیب[1] تھے معیقیب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتری بردار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانتداری اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دارالخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص خزانے کے افسر تھے۔

بیت المال کی عمارتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں کوفہ میں بیت المال کے لئے اول ایک محل تعمیر ہوا جس کو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروان

---

[1] کتب رجال میں معیقیب دیکھو۔

فارس کی عمارت سے آیا تھا۔ لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے چوری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے روزابہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

(یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کوفہ میں ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا تھا تو سیابجہ کے ۴۰ سپاہی خزانہ کے پہرے پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارادے کی مزاحمت کی۔ سیابجہ کی نسبت اسی مؤرخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا۔

(فتوح البلدان: صفحہ ۳۷۳ تا ۳۷۶)

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے۱؎ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔

جو رقم دارالخلافہ کے خزانے میں رہتی تھی

مؤرخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دارالخلافہ کے خزانے سے خاص دارالخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اس کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اہتمام تھا۔

۱؎ عمرو بن العاص گورنر مصر کو جو فرمان لکھا گیا تھا اس میں یہ الفاظ تھے فاذا حصل الیک و جمعتہ اخرجت عطاء المسلمین وما یحتاج الیہ مما لابد منہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الی۔ کنز العمال بحوالہ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۳۰۳۔

اس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظرانداز کرتے ہیں۔

پبلک ورکس یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اس کا ترجمہ نظارت نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغے میں متعدد ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارتیں' نہریں' سڑکیں' پل' شفاخانے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ان کے لئے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منتظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں ان کا مختصر حال ہم صیغہ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو نہریں تیار کرائیں

نہر ابی موسیٰ

نہر ابی موسیٰ یہ نہر ۹ میل لمبی تھی۔ جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈیپوٹیشن کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے ان میں حنیف بن قیس بھی تھے انہوں نے نہایت پر اثر تقریر کی جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے۔ اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی چھ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جائے چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جس کے ذریعے سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

نہر معقل

نہر معقل یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے **اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل** یہ نہر دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد

نہر سعد اس نہر کے لئے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد وقاص (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا انہوں نے بڑے اہتمام سے کام کرایا۔ لیکن کچھ دور تک پہنچ کر پہاڑ بیچ میں آ گیا اور وہیں چھوڑ دی گئی پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا۔ تاہم نہر سعدی کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہر امیر المومنین

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸ھ ہجری میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا اس لئے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دار الخلافہ حاضر ہو جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب کو قحط گرانی کا کبھی اندیشہ نہیں ہو گا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا وقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا۔ اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی اس ذریعہ سے جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جدہ پہنچ کر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منورہ کی بندرگاہ تھی۔ یہ نہر

تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بن کر تیار ہو گئی چنانچہ پہلے ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا، اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کی بندرگاہ میں آئے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے عاملوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اٹ گئی۔ یہاں تک کہ مقام ذنب التمساح تک آ کر بالکل بند ہو گئی۔ ۱۵۰ھ ہجری میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا۔ لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

ایک اور عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی۔ اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم اور بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضگی ظاہر کی۔ اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آ کر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر در حقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو عمارتیں تیار کرائیں

عمارات جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کرائیں تین قسم کی تھیں۔

(۱) مذہبی۔ جیسے مساجد وغیرہ ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے میں آئے گا۔ یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

(۲) فوجی۔ جیسے قلعے، چھاؤنیاں، بارکیں، ان کا بیان فوجی انتظامات میں آ چکا ہے۔

(۳) ملکی۔ مثلاً دار الامارۃ وغیرہ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔ لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دار الامارۃ۔ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے وہ جہاں ان کا دفتر رہتا تھا۔ کوفہ و بصرہ کے دار الامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔

(۲) دفتر۔ دیوان یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

۱۔ تفصیل حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۹۰ تا ۹۳ و مقریزی جلد اول صفحہ ۷۱ و جلد ۲ صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۲ میں ہے۔

۱۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۰۳۔

(۳) خزانے۔ بیت المال یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا ہے۔

(۴) قید خانے۔ مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال صیغہ پولیس کے بیان میں گزر چکا ہے۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ دار الامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔ (فتوح بلدان صفحہ ۳۴۷)

(۵) مہمان خانے۔ مہمان خانے یہ مکانات اس لئے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لئے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے **امران یتخذ لمن یرد من الآفاق دارًا فکانوا ینزلونها۔** (فتوح البلدان صفحہ ۲۷۷) مدینہ منورہ کا مہمان خانہ ۱۷ ہجری میں تعمیر ہوا۔ چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ بعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حکومت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونہ گچ کی بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا۔ اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضگی پھیل گئی۔ اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہرحال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا۔ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائے گی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۷۔

شام فتح کیا تو شرائط میں یہ امر بھی داخل تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہے وعلی ان علیہم ارشاد الضال وبناء القناطر علی الانہار من اموالہم۔ تاریخ طبری واقعات ۱۸ ہجری صفحہ ۲۵۰۰ میں بھی پلوں کا ذکر ہے)

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ خلائق تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۷ ہجری میں جب مکہ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینے سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر منزل پہ چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ "سترواں جملہ آنکہ سالے بقصد عمرہ بہ مکہ معظمہ توجہ فرمود نزدیک مراجعت امر فرمود تا در منازل کہ مابین حرمین واقع اند سایہ بناہا سازند و ہر چاہے کہ انباشتہ شدہ باشد آں را پاک کنند و صاف نمایند و در منازل کہ آب نباشد چاہہا را کنند و تا بر حجاج باستراحت تمام قطع مراحل میسر شود"۔

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے۔ ان میں بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے مظہر رہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی۔ نحو کے اصلی دارالعلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ میں ہی رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہو گا۔

بصرہ: کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۴ ہجری میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں بحر فارس خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسائیں جس کا موقع اور منظر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا تھا۔ عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آ کے

بصرہ

جہاں بصرہ آباد ہے یہاں پہلے ایک لق و دق میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان نہ تھا۔ عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن ولف کو مقرر کیا کہ جس جہاں جس قبیلے کو آباد کرنا مناسب ہو آباد کریں خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور دار الحکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ ۱۷ ہجری میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا۔ لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔ لبصرہ سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمان حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتداء ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ آئمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

کوفہ

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن

۱؎ بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں سنگریزہ یا کنکریلی زمین کو کہتے ہیں اور یہاں کی زمین اسی قسم کی تھی لیکن معجم البلدان میں ایک مجوسی کا قول نقل کیا ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ بس راہ تھا جس کے معنی فارسی میں بہت سے راستوں کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں پھوٹتی تھیں عرب نے معرب کر لیا اس سے اہل عجم اس کو اسی نام سے موسوم کرتے تھے اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ ابتداء شاہان عرب نے جو عمارتیں تیار کرائی تھیں ان کے نام بھی وہ اصل فارسی رکھتے تھے۔ مثلاً خورنق جو در اصل خورنگاہ ہے اور سدیر جو در اصل سہ دلہ ہے۔

بی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ ایسی جگہ تلاش کرنا چاہیے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان و حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کوفہ کی زمین انتخاب کی یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا ان کا پایۂ تخت یہی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا اہل عرب اس مقام کو خد العذرا یعنی عارض محبوب کہتے تھے کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان، شقائق، قیصوم، خزامی کا چمن زار تھا۔ غرض ۱۷ ہجری میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے محلوں میں آباد ہوئے شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰، ۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷، ۷ ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی اس قدر وسیع تھی کہ اس میں ۴۰ ہزار آدمی آ سکتے تھے۔ اس کے ہر چہار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارتیں اول گھاس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں اور جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنا دیا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ جو نوشیروانی عمارت سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ درحقیقت نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی۔ یعنی ان کی تشخیص جو قیمت ٹھہری وہ ان کے جزیے میں مجرا کی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا۔ جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا۔ جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی۔ اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی۔ انہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزبہ نامی ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا۔ اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا۔ نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزبہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم، ثقیف، ہمدان، بجیلہ، تیم اللات، تغلب، بنو اسد، نخع، کندہ، ازد، مزینہ، تمیم، محارب، اسد و عامر، بجالہ، جدیلہ و اخلاط جہینہ، مذحج، ہوازن وغیرہ وغیرہ

یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔ زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی۔ لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے صرف عرب کی نسل سے ہوتے تھے ۳۰ ہجری میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے اور اہل یمن کے ۱۲ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے

زمانہ مابعد کی تغیرات اور تحویلوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تھا۔ تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارت کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اس کی بنیاد اب تک قائم ہے

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئی۔ یعنی ابوالاسود دؤلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی امام ابو حنیفہ صاحب نے قاضی ابو یوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث اور علوم عربیت کے بڑے بڑے آئمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی، حماد، امام ابو حنیفہ، شعبی یادگار زمانہ تھے (کوفہ و بصرہ کے حالات طبری، بلاذری اور معجم البلدان سے لئے گئے)

فسطاط

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ ان مکانات کو خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اس کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ کوفہ کی آبادی کے وقت افسروں کو لکھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک دریا راہ میں نہ آئے چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اس لئے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پسند کیا۔ عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمے میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج شریک بن سمی عمرو بن مخزم، حویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر قبلہ کی سمت متعین کی ان صحابہ میں زبیر، مقداد، عبادہ، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دارالحکومت کے مقابل تھا اور عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تعمیر کرایا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا یہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لئے اس کا نام فسطاط پڑا۔ جس کے معنی عربی میں خیمے کے ہیں۔ آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے۔

فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی۔ اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں ۴۰ ہزار عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔ مؤرخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں ۳۶۰۰۰ مسجدیں، ۸ ہزار سڑکیں، ۱۱۷۰ حمام تھے۔ اس کی وسعت اور

قسم کے سر و سامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحوں میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پایۂ تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا، اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے **ناسخ بغداد ومفخر الاسلام وخزانة المغرب ليس في الاسلام اكبر مجالس من جامعه ولا احسن تجملاً من اهله ولا اكثر مراكب من ساحله** یعنی "یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے۔ تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ہیں"۔

موصل

موصل یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے۔ ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کی گذرگاہ ہے یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اس کو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اس کی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

جیزہ

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے متصل واقع ہے۔ عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط آئے تو اس غرض سے کہ رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین کر دی جس میں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔ درحقیقت یہ جگہ

۱؎ فتوح البلدان صفحہ ۲۲۳، ۲۲۲۔

کی کہ ہم جہاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے حالات کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی۔ وہ اگرچہ بدوؤں کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۲۱ ہجری میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور ۲۲ ہجری میں بن کر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ "ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے" چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر نکلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے ان میں بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں۔

(جیزہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے)

صیغہ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گذر چکی ہیں۔ جن کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منظم اور اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کی ریاست جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی تھی۔ فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا۔

فوجی نظام رومن ایمپائر میں

کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری یا سالاری کا جوہر رکھتے تھے ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اس قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے اگرچہ کبھی بغاوت پسند کرتے تھے تو ان کی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی اس طریقہ کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ چھوٹے لوگ بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔

فوجی نظام فارس میں

ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا فارسی میں جن کو مرزبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے اس طریقے نے روم کی سلطنت کو بالکل برباد کر دیا تھا آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا۔

فوجی نظام فرانس میں

فرانس میں ۱۴۴۵ء تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو مل جاتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد ۱۴۴۵ء تک یہی طریقہ جاری رہا۔

عرب میں شاہان یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے

آغاز تک اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر دس دس درہم کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن ۱۵ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فوجی نظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بحرین کے عامل مقرر کئے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اس قدر عجیب چیز تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اس قدر روپیہ کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔ اور یہ فارسی لفظ ہے دبستان، دبیر، دفتر، دیوان سب ایک مادہ کے لفظ ہیں جن کا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی لکھنے کے ہیں۔ (د مقریزی صفحہ [illegible] اور فتوح البلدان صفحہ [illegible])

تمام ملک کا فوج بنانا

بہر حال ۱۵ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ

قائم کرنا چاہا۔ اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ انہوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا۔ لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعمیم نہ تھی۔ اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخص بہت بڑے نساب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے۔ مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب۔ علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر ایک کا نام و نسب مفصلاً درج ہو۔ ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا۔ جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ تھا۔ یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی۔ لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت خود غرضی کا آلہ کار بن جاتی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "یوں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے شروع کرو۔ اور درجہ بدرجہ لوگ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے گئے ہیں۔ اسی ترتیب سے ان کا نام آخر میں لکھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔"

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ (تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۴، مقریزی جلد اول صفحہ ۹۲، بلاذری صفحہ ۴۴۸، یعقوبی صفحہ ۱۷۵، طبری صفحہ ۲۴۱۲ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے)

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے	۵ ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ احد	۴ ہزار درہم

فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی	۴ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے	۲ ہزار درہم
اہل یمن	۴ سو درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳ سو درہم
بلا امتیاز مراتب	۲ سو درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۶۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی ۲ ہزار درہم مقرر ہوئی اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا درجہ تھا۔

جس قدر آدمی درج دفتر ہوئے گرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے گویہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

---

۱ اس موقع پر ایک امر خصوصیت کے ساتھ لحاظ کے قابل ہے [illegible] عام لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی تنخواہیں مقرر کیں ان کو فوجی سلسلے سے کچھ تعلق نہیں بلکہ یہ رفاہ عام کی غرض سے تھا لیکن یہ محض غلط خیال ہے۔ البلاذری نے [illegible] اس واقعہ کا شان نزول بیان کیا ہے لکھا ہے کہ [illegible] نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ قد رأيت الشام [illegible] ملوكها يدونون ديوانا ويجندون جندا فدون ديوانا وجند جندا فاخذ بقوله یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا کہ دفتر اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی [illegible] چنانچہ حضرت [illegible] قبول کیا۔

دوسرا امر یہ ہے کہ [illegible] فوجی خدمت [illegible] باقی [illegible] استحقاق بھی [illegible] رکھتے تھے حضرت عمرؓ ان کی تنخواہیں مقرر کرتے تھے [illegible] لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی [illegible] فتوح البلدان میں ہے عن عمر كان لا يعطي اهل مكة عطاء ولا يضرب عليهم بعثا [illegible] صفحہ ۴۵۶ [illegible] وجہ [illegible] ہے [illegible] حضرت ابو حنیفہ [illegible] تنخواہ [illegible] تک آبادی [illegible] کی تنخواہیں مقرر [illegible] کا [illegible] مقرر ہو سکتی

ایضاً [illegible]

(۴) جو معمولاً اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جا سکتے تھے ان کو عربی میں مُطّوعة کہتے ہیں اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والنٹیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور ان دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۲۱ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۰ ہجری میں ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کیں۔ ملکی اور فوجی، ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا ہے۔

فوجی صدر مقامات

فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مراکز قرار دیئے جن کا نام جند رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن، فلسطین، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی۔ لیکن جو ممالک "[illegible]" ممالک کہے جا سکتے تھے وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے۔ چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک میں قائم کئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام قائم کرنے ضروری تھے اس لئے دمشق، فلسطین، حمص، اردن چار صدر مقام قرار دیئے فسطاط کی وجہ سے جو اب قاہرہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ، کوفہ، یہ دو شہر فارس و خوزستان اور تمام مشرقی فتوحات کے دہانے تھے۔

---

۱ جندوں کی تحقیقات کے لئے دیکھو تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۰۰ مورخ یعقوبی نے واقعات ۲۰ھ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمر نے فوجی صدر مقامات قائم کئے لیکن مورخ مذکور نے صرف فلسطین، جزیرہ، موصل اور قنسرین کا نام لکھا ہے یہ صریح غلطی ہے۔

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے وہ حسب ذیل تھے

فوجی بارکیں

فوجوں کے رہنے کے لئے بارکیں تھیں۔ کوفہ، بصرہ، فسطاط، یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لئے آباد ہی کئے گئے تھے موصل میں عیسائیوں کے زمانے کا ایک قلعہ چند گرجے اور معمولی مکانات تھے ہرثمہ بن عرفجہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت میں آباد کیا۔ اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لئے جدا جدا محلے بسائے

گھوڑوں کی پرداخت

ہر جگہ بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ رہتے تھے یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعتہً ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ تیار ہو جائے۔ ۲۱ ہجری میں جزیرہ والوں نے دفعتاً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ہوئی۔ ان گھوڑوں کی پرداخت اور ترتیب میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ تیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیش فی سبیل اللہ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۲۲) کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی اور سلمان الخیل نام سے پکارے جاتے تھے جاڑوں میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصطبل خانے کے ہیں اور اسی لحاظ سے

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۲ میں ہے کان لعمر اربعۃ آلاف فرس عدۃ لکون ان کان یشتیھا فی قبلۃ قصر الکوفۃ [illegible] بصرہ [illegible] منہا [illegible] فی کل مصر من الامصار الثمانیۃ علی قدرھا فان نابتھم نائبۃ رکب قوم وتقدموا الی ان یستعد الناس [illegible]

پرداخت کے لئے عرب میں متعدد چراگاہیں تیار کرائی تھیں۔ سب سے بڑی چراگاہ ربذہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر [illegible] [illegible] [illegible] (سفرنامہ [illegible] صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶) تھی۔

تھی اس کو آخور شاہ جہاں کہتے تھے بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہوں میں چرائے جاتے۔ مسلمان ہمیشہ گھوڑوں کی ترتیب میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے۔

خاص کر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انہوں نے نہایت ترقی دی۔ اس سے پہلے اہل عرب نسل میں ماں کی پروا نہیں کرتے تھے سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا۔ چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی دوغلا قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے (کتب رجال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو)

بصرہ کا اہتمام جزء بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر

فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتا تھا۔

رسد کا غلہ

رسد کے لئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں۔ اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

فوجی چھاؤنیاں

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ٹلتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتدبہ فوج رہتی تھی لیکن امن وامان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

۱۷ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن ملک سے ملتی تھی۔ جیسے دلوک، منبج، رعبان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی میں ان کو فروج یا ثغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم ونسق

اور مناسب انتظامات کئے جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے وہ بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے۔ یعنی عسقلان، یافہ، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرطوس، صیدا، ایاس، انطاکیہ چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لئے ان کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اس کا افسر کل عبد اللہ بن قیس کو مقرر کیا۔ بالس چونکہ خلیج فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے سرحد تھا۔ اس لئے فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے۔

(فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ میں ہے فرتب ابو عبیدۃ فیہ جماعۃ من المقاتلۃ و اسکنہا قوما من العرب الذین کانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمین الشام)

۱۸ ہجری میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں اس کے ساتھ تمام دریائی مناظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے (فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے۔ ان معاویۃ کتب الی عمر بعد موت اخیہ یزید یصف حال السواحل فکتب الیہ فی مرمۃ حصونہا و ترتیب المقاتلۃ فیہا و اقامۃ الحرس علی مناظرہا و اتخاذ المواقید لہا)

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی۔ باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جس کی معرفت ان کی تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی۔ (مقریزی جلد اول صفحہ ۲۹۷ میں ہے وکان بحضرۃ کل قصر رحبۃ فسیحۃ لجلوس اصحابہا تعرف بہا)

۲۱ ہجری میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی

(تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۲ میں ہے۔ حتی اذا کانت سنۃ ۲۱ قسم عمر الارزاق و سمی الشواتی و الصوائف و سد فروج الشام و مسالحہا و اخذ یدربہا و سمی ذلک فی کل کورۃ و استعمل عبد اللہ بن قیس علی السواحل من کل کورۃ۔

میں جس قدر فوج تھی اس کی ایک چوتھائی انہی کے مقامات کے لئے مخصوص[۱] کر دی۔ عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ محفوظ مقامات تھے چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے ۱۰ ہزار دور دراز مہمات میں مصروف رکھے[۲] جائیں تاہم ان اضلاع میں عجمیوں کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں از سرنو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ قرقیسیا اور زابوقہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔ صوبہ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ چنانچہ شہر تیری، مناذر، سوق الاہواز، سرق، ہرمزان، سوس، نہیان، جندی سابور، مہرجانقذق یہ تمام فوجوں سے معمور ہو گئے اور آذربائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ ۱۰ ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں جابجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلطنت کو اس قدر وسعت کیوں ہو گئی تھی۔ اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا ادھر یونانی مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آئے تھے اس وجہ سے شام مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں ان کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔

فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں؟

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہی مقامات میں کیں جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی جائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور جب کہ مطیع بھی ہو جاتے تھے تو

---

[۱] دیکھو طبری صفحہ ۲۵۰۵ و مقریزی صفحہ ۳۴۹ [۲] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۰۵ میں ہے وکان بالکوفة اربعون الف مقاتل وکان یغزو هذین الثغرین الری وآذربیجان منهم عشرة الاف فی کل سنة فکان الرجل یصیبه فی کل اربع سنین غزوة [۳] فتوح البلدان صفحہ ۳۲۸ [۴] طبری صفحہ ۲۵۶۶

ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضروری تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

فوجی دفتر کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اس قدر منظم کر دیا کہ اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے۔ فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل ادھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں۔ وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بیشمار گروہ کی اعلیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا، تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔

ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی

ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن میں سے ۳۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی ان کو باری باری سے ہمیشہ رے اور آذربائیجان کی مہمات میں حاضر رہنا ضروری تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا۔ اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا۔ جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس میں تبدیلی کی۔ یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی۔ عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے اور اسی دن در حقیقت حکومت بھی عرب کے ہاتھ سے نکل گئی۔

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آ گیا تھا۔ ہم پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوجی نظام

کی طرف واپس آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اس میں داخل کیے گئے۔

فوج میں عجمی رومی ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

یزدگرد شہنشاہ فارس نے دیلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی اور جند شہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی۔ سعد ابن ابی وقاص ؓ والی کوفہ نے ان کو فوج میں داخل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی جا بجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزدگرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

۱۷ھ ہجری میں یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر بڑے بڑے نامی پہلوان تھے۔ اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہادر منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ۱۷ھ ہجری میں سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے سیاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے کو جائے۔ سوس فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سرداروں کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی۔ ابو موسیٰ گو ان شرائط پر راضی نہ تھے لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لیے جائیں۔ چنانچہ...... وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کیے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا کر ان کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔ ان میں سے چھ افسروں کے جن کے نام یہ تھے سیاہ، خسرو، شہریار، شہرویہ، افروذین ڈھائی ڈھائی ہزار اور سو بہادروں کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ تستر کے معرکے میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔

(طبری واقعات ۱۷ ہجری ذکر فتح سوس و تستر فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۴)

باذان، نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اس کی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے۔ ان کا نام بھی دفتر میں لکھا گیا۔ تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر[1] ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زط کہتے تھے، یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے سوس کے معرکے کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور فوج

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۳۔

میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کئے گئے۔ (فتوح البلدان صفحہ ۳۷۲)

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ سو آدمی شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔ (مقریزی صفحہ ۲۹۸ میں ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں)

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صیغۂ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والنٹیر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے فوجی نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئے گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صیغۂ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کیا گیا تھا۔ صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا بھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا انہی کے ہم قوموں کو ان سے لڑانا فن جنگ کا بڑا اصول تھا۔

کہ خرگوش ہر مرز را بے شگفت
سگ آں ولایت تواند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابتدا سے انتظام فوجی صیغہ صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ یعنی جو لوگ اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے ان کے نام بھی فوجی رجسٹر میں درج تھے اور اس وقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اب یہ بھی اٹھا دینا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو صیغۂ تعلیم کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے لاتعط علی القرآن احداً۔

تنخواہوں میں ترقی

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ چونکہ وہ فوج کو زراعت تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور باز رکھتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۲۰۰

سالانہ تھی ۳۰۰ کر دی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک بڑھا دی۔ بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے بعد سے مقرر ہوتی تھی۔ اب حکم دے دیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے۔

رسد کا انتظام

رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے میدانات پر حملہ کر کے بکریاں اور غلہ لوٹ لائیں۔ البتہ گوشت کا بندوبست دارالخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵ سیر غلہ لیا جاتا تھا۔ مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون، شہد اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا۔ لیکن اس سے رعایا کو زحمت ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر اس کے بدلے نقدی مقرر کر دی۔ جس کو رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔

رسد کا مستقل محکمہ

رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام اہراء تھا۔ چنانچہ شام میں عمرو بن عتبہ اس محکمے کے افسر مقرر ہوئے۔ اہراء ہری کی جمع ہے۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لئے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا۔ تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ کو سپاہی اس انداز کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس ۳ اطار روغن زیتون اور ۳ اطار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کی بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔

خوراک، کپڑا اور بھتہ

چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے ذکر میں اس کی تصریح کی ہے۔ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا جس کی تفصیل

۱؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ [illegible] عمرو بن عتبہ [illegible] الطعام [illegible]

[illegible] بعض الاعراب وكان عمر يبعث [illegible] ضعيف [illegible] مجهود [illegible]

[illegible] صفحہ ۱۶۲ [illegible]

[illegible]

وردی کے باب میں آئے گی ان تمام باتوں کے ساتھ مہتر بھی مقرر تھا جس کو عربی میں مقوّد کہتے ہیں۔ سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے تیار رکھا ہوتا تھا۔ لیکن جو شخص کم سرمایہ ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی۔ اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا۔ چنانچہ خاص اس غرض کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے خود دارالخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۲۷ اصل عبارت یہ ہے کان لعمر بن الخطاب اربعۃ آلاف فرس فاذا کان فی عطاء الرجل خفۃ او کان محتاجا اعطاہ الفرس)

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ

بھتہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کے کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم ہوتا تھا فوجی افسر جو کم سے کم ۱۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے۔ تنخواہ ان کو دی جاتی تھی۔ وہ عریف کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کے حوالے کرتے تھے ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ میں سو عریف تھے۔ جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔[1] اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبرگیری سے کام لیا جاتا تھا عراق میں امرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم وغیرہ کو بلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور درجے مقرر کئے اور دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔ عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جس کی تقلید مدتوں تک کی گئی کنز العمال باب الجہاد میں علامہ مدائنی کی روایت ہے

تنخواہوں کی ترقی

تنخواہوں میں قدامت اور کارگزاری کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا قادسیہ میں زہرہ، عصمۃ، ضبی وغیرہ نے بڑے بڑے مردانہ کام کئے تھے اس لئے ان کی تنخواہیں دو دو ہزار

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۹۶ اصل عبارت یہ ہے و لم یزل یعطیہم عطاءہم فی المحرم من کل سنۃ اعطیاتہم فی المحرم من کل سنۃ و فیئہم عند طلوع الشعری فی کل سنۃ و ذلک عند ادراک الغلات [2] یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ۲۴۹۵ و ۲۴۹۶ و مقریزی صفحہ ۹۲ میں ہیں۔

سے بڑھا کر ڈھائی ہزار ہو گئیں۔ مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا۔ اس کی کچھ انتہا نہ تھی۔ چنانچہ جلولا میں نو نو ہزار، نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے میں آئے تھے

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے۔

اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم

جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں متعین کر دی تھیں یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں اس کی تقسیم کا نام شاتیہ اور صائفہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے یہاں تک کہ ہمارے مؤرخین مغلی مہمات اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۷ ہجری میں کیا تھا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔ **وسمی الشواتی والصوائف وسمی ذلک الی کل کورۃ۔**

بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام

فصل بہار میں فوجیں ان مقامات پر بھیج دی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول عراق میں جاری کیا گیا۔ جنگ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عتبہ بن غزوان کو لکھ کر بھیجا کہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔ عمرو بن العاص گورنر مصر موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر فربہ بنا کر لائیں۔

آب و ہوا کا لحاظ

بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے فوجوں کے لئے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ، بصرہ، فسطاط وغیرہ ان میں صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۴۸۶ میں ہے وکتب عمر الی سعد بن مالک والی عتبۃ بن غزوان ان یتربعا بالناس فی کل حین ربیع فی اطیب ارضہم۔

ہوتی تھیں یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعیین بھی خود لکھ کر بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گزر چکی۔

کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن

فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے کہ لوگ دم لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا۔ اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔

(عقد فرید جلد اول صفحہ ۴۰ میں یہ فرمان بعینہ منقول ہے۔)

رخصت کے قاعدے

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انہوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیج دئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اسی حد تک تھیں کہ جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا۔ ورنہ آرام طلبی کاہلی عیش پرستی سے بچنے کے لئے سخت بندشیں تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں۔

فوج کا لباس

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جس کو وردی کہتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام ان کے جو احکام منقول ہیں ان میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں زور نہیں دیا گیا تھا ۲۱ ہجری میں جب مصر میں قبطیوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے

کپڑے بھی اس میں شامل تھے اور وہ یہ تھے کہ اون کا جبہ، لمبی ٹوپی یا عمامہ، پاپوش، موزہ، حالانکہ اول اول پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتصریح منع کیا تھا۔

فوج میں خزانچی، محاسب، مترجم

فوج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود تک نہ تھا، مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ[1]، ایک محاسب[1]، ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبد الرحمن بن ربیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، ہلال ہجری مترجم[2] تھے۔ فوج میں محکمۂ عدالت، سررشتۂ حساب، مترجمی اور ڈاکٹری کی ابتداء بھی اسی زمانے سے ہے۔

فن جنگ میں ترقی

فنی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے ان میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پاؤں چلنا۔ اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔

عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا۔ اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔[3] اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا تھا۔ اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے تھے مثلاً میمنہ، میسرہ وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے پیچھے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے ۱۵ھ ہجری میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت تعبیہ کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۰۵۔ [2] طبری واقعات ۱۴ھ صفحہ ۲۲۲۱۔

[3] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقۂ جنگ پر ایک مضمون لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ تعبیہ کا طریقہ اول اول مروان بن الحکم نے قائم کیا۔ لیکن یہ غلط ہے طبری اور دیگر مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں اول اول خالد نے تعبیہ کی طرز پر صف آرائی کی۔

فوج کے مختلف حصے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے، حسب ذیل ہیں۔

قلب	سپہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔
مقدمہ	قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔
میمنہ	قلب کے داہنے ہاتھ پر رہتا تھا۔
میسرہ	بائیں ہاتھ پر۔
ساقہ	سب کے پیچھے
طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔
ردء	جو ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے
رائد	جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رکبان	شتر سوار
فرسان	گھوڑا سوار
راجل	پیادے
رماۃ	تیر انداز

ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں، سوا، ڈورا، قینچی، موتای، توبڑا، چھلنی۔ (فتوح البلدان صفحہ ۱۸)

قلعہ شکن آلات

قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا چنانچہ سب سے پہلے ۸ھ ہجری میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعے سے فتح ہوئے ۱۶ھ ہجری میں بہرہ شیر کے محاصرے میں ۲۰ منجنیقیں استعمال کی گئیں۔ محاصرے کے لئے ایک اور آلہ تھا جس کو دبابہ کہتے تھے یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پہیے لگے ہوتے تھے سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیر اندازوں کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا اور اس کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے اس طرح قلعہ کی جڑ میں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے بہرہ شیر کے محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفر مینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل باندھنا یعنی جو کام آج کل سفر مینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اس کا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رخ کرے گی سفر مینا کی خدمت کو مصری انجام دیں گے چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل بمنزل پل باندھتے سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا۔ اس واسطے قبطی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

خبر رسانی اور جاسوسی

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اس کے لئے قدرتی سامان ہاتھ آگئے تھے۔ شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے تھے۔ اس لئے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت دی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسائی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لئے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے یرموک قادسیہ تکریت میں انہی جاسوسوں کی بدولت

۱؎ مقریزی صفحہ ۱۶۳ میں ہے فخرج عمرو بالمسلمين وخرج معه جماعات من رؤساء القبط وقد اصلحوا لهم الطرق واقاموا لهم الجسور والاسواق

بڑے بڑے کام نکلے۔ (تاریخ طبری صفحہ ۲۴۴۲ و ۲۴۴۳۔ [illegible]) [illegible] ونزلت [illegible] الذي [illegible] وبعثنا اليهم رجالاً من اھل البلد کانوا انصاراً لحسن اسلامھم و

سرنا ان ینظروا عسکرھم ویکتبوا سلاحھم ویأتوا بخبارھم۔

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصری فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔ قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ (کتاب الخراج صفحہ ۸۰)

فلما رأی اھل الذمۃ وفاء المسلمین لھم وحسن السیرۃ فیھم صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعوناً للمسلمین علی اعد آئھم فبعث اھل کل مدینۃ ممن جری الصلح بینھم وبین المسلمین رجالاً من قبلھم یتجسسون الاخبار عن الروم عن ملکھم وما یریدون ان یصنعوا۔

خبر رسانی اور جاسوسی

اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اس کے صلے میں ان کی مقبوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے دی گئیں۔ اسی طرح جراجمہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی کہ ان کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔ فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے۔ اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جہاں سے دارالخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں میل کا فاصلہ تھا۔ تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ قدرت میں تھیں کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔

پرچہ نویسوں کا انتظام

اس کا عام سبب تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت اور ان کا رعب و داب تھا۔ لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامہ طبری ایک خاص موقع پر

۱؎ معجم البلدان لفظ سامرہ۔

لکھتے ہیں کہ :

وکانت تکون لعمر العیون فی جیش فکتب الیہ بما کان فی تلک الغزاۃ بلغۃ الذی قال عتبۃ۔ (طبری صفحہ ۲۴۰۹)

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

وکان عمر لا یخفی علیہ شئ فی عملہ۔ (طبری صفحہ ۲۵۶۳)

اس انتظام سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بد اعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تدارک کر دیتے تھے۔ جس سے لوگوں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمرو معدی کرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا۔ فوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی اور اسی وقت انہوں نے عمرو معدی کرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

صیغۂ تعلیم

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علمائے صحابہ اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی۔ اس لئے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ صیغۂ مذہبی کے بیان میں آئے گا۔

صیغۂ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اصلی کام تھا، مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور در حقیقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارناموں کا طغرا یہی ہے لیکن مذہب کی روحانی تعلیم، یعنی توجہ الی اللہ، استغراق فی العبادۃ، صفائے قلب، قطع علائق خضوع و خشوع یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی رشتۂ انتظام کے تحت میں نہیں آ سکتیں۔ اس لئے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعت اسلام، تعلیم قرآن و حدیث، احکام مذہبی کا اجراء

اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے متعلق جو کچھ کیا اس کی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اشاعت اسلام کا طریقہ

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے ذریعے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر **لا اکراہ فی الدین** (یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ششم صفحہ ۳۰۶ مطبوعہ حیدرآباد دکن) بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اسکے خلاف ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر جب ان کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ **لا اکراہ فی الدین**۔

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے۔ تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں۔ چنانچہ فاتح ایران سعد وقاص کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ تھے **وقد کنت أمرتک أن تدعوا من لقیتہ الی الاسلام قبل القتال** قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا" یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں انہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد ان کے سامنے بیان کئے۔

اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں

جو تی تھیں۔ لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور تعجب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی اور سادگی اور پاکیزگی، جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیوں کا سفیر جارج ابوعبیدہ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعۃً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا مسلمانوں کے حالات سن سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا۔ اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ (تاریخ مقریزی صفحہ ۱۶۲ میں ہے فخرج شطا فی الفین من اصحابہ فلحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلک یحب الخیر و یجنح الی ما یسمع من سیرۃ اہل الاسلام)

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی۔ یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پر زور قوموں کا قدم اکھڑ جاتا ہے خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات

اشاعت اسلام کے اسباب

دریافت کئے اور عادات سن کر یہ کہا کہ "ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے"۔ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سوار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ "یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے اور ان سے لڑنا بیکار ہے"۔ ابو رجاء فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ قادسیہ کی لڑائی میں میں شریک تھا اور اس وقت تک مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ "تکلے ہیں"۔ لیکن ان ہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی"۔ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ "رومیوں کی سلطنت ختم ہو چکی۔ اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ"۔

(مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۹)

۱؎ طبری واقعات فتح فارس۔

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جس قدر ان کا میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے یہی بات ہے کہ اس عہد کے نومسلم جس قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام اروکولن تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا[1] ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ ایمان لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مؤرخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا۔ اس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بتا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے

۱۶ ہجری کے اخیر میں جب جلولا فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ان میں سے جو زیادہ صاحب اقتدار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں۔ جمیل بن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل، فیروزان، ان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔[2]

قادسیہ کے معرکے کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی۔ کل کی کل مسلمان ہو گئی۔ (فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰)

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطخر کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجیں جب تستر پہنچیں تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے بہتر

---

[1] معجم البلدان ذکر قسطرتسان۔ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۵۔

یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ اساورۃ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اساورۃ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیابجہ "زط" اندغار بھی مسلمان ہو گئے یہ قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑتے تھے گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا۔ اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی تدقیق کے ساتھ ہر جگہ سے انکو واپس لے کر مصر بھیج دیا اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں، خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں چنانچہ ان میں سے قصبہ بلہیب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارہ اور وردہ سے لیکر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔ (مقریزی صفحہ [illegible]

فلما فتح المسلمون الفرمی بعثها تنتصوا حیلها فنیس ساروا الی بقارۃ فاسلم من بها وساروا منها الی الورادة لبعض اهلها فی الاسلام وصاروا لها الی عسقلان)

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں یہاں کا رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر پہلے اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آملا۔ اور مسلمان ہو گیا۔

(مقریزی جلد اول)

فسطاط جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ دار السلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے۔ ایک محلہ بنو نبہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا۔ اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے معرکے میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔

دوسرا محلہ بنو الارزق کے نام پر تھا یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصری جنگ میں اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔

تیسرا محلہ روبیل کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصری جنگ میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔

(اس کے متعلق پوری تفصیل مقریزی صفحہ ۲۹۸ جلد اول میں ہے)

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نو مسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیرواں کی طرف سے یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے تھے اسی طرح اور بہت سے مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ علامہ بلاذری نے بالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ مؤرخ ازدی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔ مؤرخ طبری نے سن ۱۶ ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔ ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔ اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب کا اعمال مذہبی کی ترویج تھی۔ جن چیزوں پر اسلام کا دارومدار ہے ان کا محفوظ رکھنا اور ان کی اشاعت اور ترویج کرنی۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا ہے کہ "امروز ہر کہ قرآن میخواند از طوائف مسلمین منت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ در گردن اوست"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوششیں کیں

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل قرآن مجید ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخے لکھوا کر محفوظ رکھنا، تمام ممالک میں اس کا رواج دینا جو کچھ ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفرق

---

[1] بلاذری صفحہ ۱۵۰۔

اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر کچھ پتھر کی تختیوں پر لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا کسی کو کوئی سورت یاد تھی کسی کو کوئی۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاکر کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا۔ اس لئے ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا تو میں کیونکر کروں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لکھا ہوا دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے

سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے متعدد لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید مضر ہی کی خاص زبان میں اترا ہے (ازالۃ الخفاء حصہ اول [illegible])

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی تدبیریں

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے

اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنا دیئے جائیں کہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی

صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں شائع ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا۔ اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں[1]۔ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔

مکاتب قرآن

مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں پندرہ پندرہ درہم ماہوار تھیں۔

بدوؤں کو جبری تعلیم

خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔

(اغانی جزء ۱۶ صفحہ ۵۸ اصابہ فی احوال الصحابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے)

کتابت کی تعلیم

مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں ان کی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا گول کرو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ دیکھو بلاذری ب صفحہ حافظ ابن حجر نے اس روایت کو معرفۃ ابو نعیم کے

---

[1] سیرۃ العمرین لابن جوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین۔

مورخ کی تصریح لکھا ہے لیکن خود صاحب معجم نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے)

قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کے لئے دور دراز مقامات پر بھیجنا

صحابہ میں سے ۵ بزرگ تھے جنہوں قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان میں خاص کر ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید القراء تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں ان کی مدح کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے۔ ابو ایوب ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے اس لئے نہ جا سکے باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہدایت کی کہ حمص کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں باقی دو صاحبوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے۔ وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں قیام کیا۔ اور ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طاعون عمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔

تعلیم قرآن کا طریقہ

ابودرداء کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھائے۔ خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس کو اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے۔

---

[1] یہ تمام تفصیل کنزالعمال جلد اول صفحہ ۲۸۱ میں [illegible] بروایت طبقات ابن سعد کی ہے

دمشق کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد

ایک دن ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب علم ان کے حلقہ درس میں موجود تھے

اشاعت قرآن کے وسائل

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے ضروری سورتیں یعنی بقرہ' نساء' مائدہ' نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن سیکھیں کیونکہ ان میں احکام و فرائض مذکور ہیں لے عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں (لیکن بعد میں جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا) اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی پڑھ گئے

حافظوں کی تعداد

ناظرہ خوانوں کا شمار تو نہ تھا۔ لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے جا بجا بھیجوں تو سعد وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ موجود ہیں۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۸)

صحت اعراب کی تدبیریں

تیسرا امر یعنی صحت اعراب و صحت تلفظ اس کے لئے بھی نہایت اہتمام کیا۔ اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا۔ اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا تو اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔ سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے خاص الفاظ حسب

لہ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۰

روایت ابن الانباری یہ ہیں۔ **تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظه** اور مسند دارمی میں یہ الفاظ ہیں۔ **تعلموا الفرائض واللحن والسنن کما تعلمون القرآن**

ادب اور عربیت کی تعلیم

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ خود لوگ اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔ تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔ قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی۔ لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

حدیث کی تعلیم

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: "چنانچہ فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن مغفل و عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ را به بصرہ و عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ را بشام و به معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نہ کنند۔" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کیے تھے وہ ان کی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے ان کے ذاتی حالات میں ان کے فضل و کمال کا جہاں ذکر آئے گا ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے بھی وہ اشاعت ممکن نہیں۔ مسائل فقہیہ کی ترویج کے لئے یہ تدبیریں اختیار کیں۔

---

۱ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۸۹۔ ۲ ازالۃ الخفاء صفحہ ۔ ۳ موطا امام محمد صفحہ ۳۴۳۔

مسائل فقہ کی اشاعت

جہاں تک وقت و فرصت مساعدت کرتی تھی خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے حج کے خطبے میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے موطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے اسی طرح شام بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پر اثر خطبے پڑھے ان میں اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا ہے اس لئے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ کسی اور تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہا نے اس کو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے سے جا بجا نقل کیا ہے

وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پنج گانہ کی اوقات کے متعلق جس کے تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موطا میں بعینہ اس کی عبارت نقل کی ہے اسی مسئلہ کے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھیجی اس کو بھی امام مالک نے بالتفصیل نقل کیا ہے۔ دو نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ ناجائز ہے (موطا امام محمد ص ۲۹۰)

سن ۱۴ ہجری میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ قائم کی تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر افسران ملک کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ **بسم اللہ الرحمن الرحیم ہذا کتاب الصدقة** قضا اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھیجی تھی اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی عمال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ یہ خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں۔ لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔ روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کہ **لا تکونوا من المسرفین لفطرکم** زید وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ **أن الامرأة لا تصوم**

تطوعا الا باذن زوجها ابو داؤد کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ **ان الاہلۃ بعضها اکبر من بعض** اسی طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالیں ہیں۔

مسائل فقہیہ میں اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرامین کے ذریعہ شائع کرتے تھے چونکہ شائع دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا ان کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرا لیا۔ مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ **ان عمر استشار فی السارق فاجمعوا الخ** (کتاب مذکور صفحہ ۱۷۲) غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ درپیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ اس وقت فرمایا **انتم اصحاب بدر وقد اختلفتم فمن بعدکم اشد اختلافاً۔** یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا۔ چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا۔ اور ان کی رائے قطعی قرار دی گئی۔ (ازالہ، تحفہ صفحہ ۸۸)

جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور مشتبہات طے ہو گئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہو گیا۔

مسائل فقہیہ میں اجماع

اضلاع کے عامل افسر جو مقرر کرتے تھے ان کی یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہوں چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا، جس میں یہ الفاظ تھے **انی اشهدكم علی امراء الامصار انی لم ابعثهم الا لیفقهوا الناس فی دینهم** یعنی تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔ یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں **ان عمر بن الخطاب کان اذا اجتمع الیہ جیش من اہل الایمان بعث علیہم رجلاً من اہل**

الفقہ والعلم (کتاب الخراج صفحہ ۶۱) میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں آج تک ان کا نام آتا ہے۔ عمر تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں۔ مورخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ "یہ منجملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔"[1] عمران بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے رتبے کے صحابی تھے، ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

وکان ممن بعثھم عمر بن الخطاب الی اھل البصرۃ لیفقھھم یعنی ان لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لئے شام بھیجا تھا۔ عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے "کہ وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو درداء کو شام میں بھیجا کہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں حبان بن ابی جبلہ کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔ ان فقہا کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شائقین تمام نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کا بیان ہے

---

[1] اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرۃ الذین بعثھم عمر الی البصرۃ یفقھون الناس۔

کہ میں حمص کی مساجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے لیکن جب ان کو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو پتہ چلا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا تھا اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ذکر معاذ بن جبل ؓ)

فقہا کی تنخواہیں

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کیں تھیں۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

معلمین فقہ کی رفعت شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لئے انتخاب کیا تھا۔ مثلاً معاذ بن جبل، ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد الرحمٰن بن غنم، عمران بن حصین، عبد اللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے۔ اس کی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور استیعاب وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ذکر ابو درداء)

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص فقہ کے مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا۔ یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لئے جاتے تھے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے ہم اس کے چند جملے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معہذا بعد عزم خلیفہ برچیزے مجال مخالفت نبود، در جمیع ایں امور مشورہ و تفحص و بدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را صمیم نمی ساختند لہذا دریں عصر اختلاف مذہب

و نشد آں واقع نشد ہر یک مذہب مستقل برائے خود مجتہد چوں ایام خلافت خاصہ بانقضا منقرض شد و خلافت عامہ ظہور نمود علماء در ہر بلدے مستقل بالفتویٰ شدند۔ ابن عباس در مکہ فتویٰ می دہد و عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمایند و ابو ہریرہ اوقات خود را بر اکثار روایت حدیث مصروف ساخت ہر شہر را دریں ایام اختلاف فتاویٰ پیدا شد یکے را بر روایتے دیگر اطلاع نہ و اگر اطلاع شد بذاکرہ واقع نشد گردانید۔ میان آمد ازالت شبہ و تخریج از مضیق اختلاف بفضائے اتفاق می برند۔ گر تتبع کنی روایت علمائے صحابہ کہ پیش از انقراض خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بغایت کم یابی و جمعے کہ بعد ایام خلافت زندہ اند ہر چہ روایت کردہ اند بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشاں مقبول و عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق ایشاں ثابت شود لازم اما در میان آنچہ حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم بود و آنچہ بعد وے حادث شد فرق بین السموات والارض است

(ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۴۰)

عملی انتظام

یہ تمام امور جن کا اوپر ذکر ہوا علمی حصے سے تعلق رکھتے تھے۔ عملی حصے پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت توجہ کی۔ اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے

اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں۔ **ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کان یرزقان المؤذنین والائمہ**[1] مؤطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھے۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منیٰ میں پہنچا آئیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔[2]

حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عہد خلافت میں متصل ہر حج کے اس لئے میر حاج ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے

---

[1] سیرۃ العمرین صفحہ ۲۸ [2] مؤطا امام مالک صفحہ ۳۰

مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔[1] ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ ہر جگہ میں ایک جامع مسجد اور ہر قبیلے کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ سعد وقاص اور عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہیں گو ان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی۔ ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واقع ہے راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔[2] یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اس کی زیب و زینت پر توجہ کی اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لئے سنہ ۱۷ ہجری میں گردوپیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیئے اور ان کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اس کی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ کام بھی لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنایا جاتا ہے۔ حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷ میل اور ۹ میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصاب حرم کہلاتے تھے۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنہ ۱۷ ہجری میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے ان کی تجدید کی۔ صحابہ میں جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخرمہ بن نوفل، ازہر بن عبد عوف، حویطب بن عبد العزیٰ، سعید بن یربوع

---

[1] [illegible] صفحہ ۱۰۹

[2] [illegible] للازرقی [illegible] صفحہ [illegible]

کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کیے گئے

مسجد نبوی کی وسعت اور مرمت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لئے کافی تھی۔ لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی۔ اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ سنہ ۱۷ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لے لئے لیکن حضرت عباس نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبراً خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عام مسلمین کے لئے دیتا ہوں۔ غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں گرا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز تھا انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا۔ اسی طرح عرض میں۔ جس قدر ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اسی طرح رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا۔ اور لوگوں سے کہا کہ جس کو بات چیت کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو اس کے لئے یہ جگہ ہے۔

(خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۵ھ صفحہ ۱۲۳)

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا اس کی ابتدا بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوئی۔ یعنی ان کی اجازت سے تمیم داری نے مسجد میں چراغ جلائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا۔ لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ مؤذن کے حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا۔ اور ان کے کپڑے بساتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت

---

[1] خلاصۃ الوفاء صفحہ ۱۲۲

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی کیا۔ لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد و خاک میں آلودہ نہ ہوں۔

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال اوپر گزر چکا ہے لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لئے جدا جدا عنوان قائم نہیں کئے جا سکتے تھے۔ اس لئے ان کو یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہو گا۔ ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اسکی ضرورت سے سن اور سال قائم کرنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے۔ مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا۔ یعنی جس سال ابرہۃ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مستقل سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری مقرر کرنا

اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ سنہ ۲۱ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک چک پیش ہوئی صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا" اکثر نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اس کو ماہ روز کہتے ہیں۔ اور اس میں تاریخ اور مہینہ دونوں کا ذکر ہوتا ہے اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتداء کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہئے تھا۔ لیکن چونکہ عرب میں

سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر سال شروع سے سنہ قائم کیا۔ (مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۴)

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا۔ چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش قبیلہ میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن حساب کتاب سے لوگ بے بہرہ تھے یہاں تک کہ جب سنہ ۱۸ ہجری میں ایلہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جو حساب کتاب جانتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک چودہ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا۔ اور اس صلے میں اس کی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پیچ روزینہ داروں کا حساب تھا۔ جو اہل عطا کہلاتے تھے۔ اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی مثلاً جہاد کی کثرت کے لحاظ سے قرابت کے لحاظ سے ذاتی کارگزاریوں کے لحاظ سے اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا۔ اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی اس صیغے کے حساب و کتاب کی درستی کے لئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا۔ مثلاً دارالخلافہ میں عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم کو بصرہ میں مغیرہ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبداللہ بن خلف کو۔

دفتر خراج

تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے تھے فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا زکوٰۃ اور صدقہ میں جو مواشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب

تھے۔ جانوروں کا حلیہ رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی۔ اور بعض وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (طبری صفحہ ۲۷۴۱)

مصارف جنگ کے کاغذات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ انہوں نے کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ جلولا کی فتح میں جو سنہ ۱۶ ہجری میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملاحظہ کرایا تھا۔

مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی۔ اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے چنانچہ معمورہ عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔ خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے۔ مثلاً سعد وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی۔ چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام میں رہتا تھا۔ (طبری صفحہ ۲۳۳۵)

کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے بعینہ اسی طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بہیاں ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

۱؎ الاصابہ فی احوال اصحابہ تذکرہ خالد بن ولید۔

سکہ

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبدالملک بن مروان ہے۔ لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔

جب امیر المومنین خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو انہوں نے سکہ کے معاملہ میں کچھ دخل نہ دیا۔ بلکہ پرانے سکہ کو جو جاری تھا بحال رہنے دیا۔ سنہ ۱۸ ہجری میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرے سے بھی سفراء آئے جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے۔ احنف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور تکلیفیں بیان کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا۔ جنہوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہر معقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے **اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔ اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سکہ کے درہم جاری کئے جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سکوں پر **الحمد لله** اور بعض سکوں پر **محمد رسول الله** اور بعض پر **لا اله الا الله وحده** لکھا ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر زمانے میں دس درہم مجموعی رقم کا وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔ (دیکھو کتاب النقود الاسلامیہ المقریزی مطبوعہ مطبع جوائب سنہ ۱۲۹۸ ہجری صفحہ ۵)

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے۔ بغلی آٹھ دانگ کا طبری چار دانگ کا مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ بغلی چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لئے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔ (الاحکام السلطانیہ للماوردی صفحہ ۱۴۷)

[۱] ذمی رعایا کے حقوق

پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے تھے اس کا مقابلہ اگر اس زمانے کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم و فارس تھیں ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا۔ کیونکہ رعایا آخر کار کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے۔ اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان ممالک کو زیر نگیں کیا تو دفعتہً وہ حالت بدل گئی جو حقوق ان کو دیئے گئے اس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے بلکہ اس قسم کا تعلق ہو گیا جیسا کہ دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم ان کو اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعوےٰ کی تصدیق ہو گی۔ اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو بھی نہیں دیئے ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل باقی مجمل ہیں۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل عمل کا باعث تھا۔ اس لئے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

بیت المقدس کا معاہدہ

هذا ما اعطی عبد اللّٰه عمر امیر المومنین اهل ایلیاء من الامان

---

[۱] ذمی سے وہ قومیں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلامیہ میں سکونت رکھتی تھیں۔

اعطاهم امانا لانفسهم واموالهم ولکنائسهم وصلبانهم وسقیمها وبریئها وسائر ملتها انه لا تسکن کنائسهم ولا تهدم ولا ینتقص منها ولا من حیزها ولا من صلیبهم ولا من شیء من اموالهم ولا یکرهون علی دینهم ولا یضار احد من الیهود وعلی اهل ایلیاء ان یعطوا الجزیة کما یعطی اهل المدائن وعلیهم ان یخرجوا منها الروم واللصوص فمن خرج منهم فهو آمن علی نفسه وماله حتی یبلغوا مأمنهم ومن اقام منهم فهو آمن وعلیه مثل ما علی اهل ایلیاء من الجزیة ومن احب من اهل ایلیاء ان یسیر بنفسه وماله مع الروم ویخلی بیعهم وصلبهم فانهم آمنون علی انفسهم وعلی بیعهم وصلبهم حتی یبلغوا مأمنهم وعلی ما فی هذا الکتاب عهد اللّٰه وذمة رسوله وذمة الخلفآء وذمة المؤمنین اذا اعطوا الذی علیهم من الجزیة شهد علی ذلک خالد بن الولید وعمرو بن العاص وعبد الرحمان بن عوف ومعاویة بن ابی سفیان وکتب وحضر سنه ۱۵ ہجری۔

([illegible] طبری [illegible] فتح بیت المقدس)

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کو امن ہے تاآنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہو گا اور ایلیا والوں میں

> سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر رومیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا رسول خدا کے خلیفہ کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمرو العاص اور عبد الرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یہ ۱۵ ہجری میں لکھا گیا"۔

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان، مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں گرجے اور صلیب کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ تو وہ توڑے جائیں گے نہ ان کی عمارت کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ **لا یکرھون علی دینھم** عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا۔ اس لئے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے۔ تاہم ان کے لئے یہ رعایتیں محفوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ اور نکل جانا چاہیں تو نکل سکتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہو گا۔ اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھ کر بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں گے کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اس پر بھی کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم مفتوحہ ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر انصاف کا برتاؤ کر سکتی ہے؟ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان ومال کو مسلمانوں کی جان ومال کے برابر قرار دیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے۔ امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے وارثوں کو دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا

حوالہ کیا گیا۔ اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔ مال اور جائیداد کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضے میں تھیں اسی حیثیت سے بحال رکھیں۔ جس حیثیت سے فتح سے پہلے ان کے قبضے میں تھیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصل ملکی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

بندوبست مال گذاری میں ذمیوں کا خیال

مال گذاری جو مشخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی تھی۔ اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ نہیں ان پر سختی تو نہیں کی گئی۔ چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس شخص کوفہ اور دس شخص بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے چار دفعہ تاکید قسم لیتے تھے کہ مال گذاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسران بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی۔ (کتاب الخراج صفحہ ۳۷ میں ہے [illegible] شهدت عمر بن الخطاب قبل ان يصاب بثلاث او اربع واقفاً على حذيفة بن اليمان و عثمان بن حنيف و هو يقول لهما لعلكما حملتما الارض ما لا تطيق)

ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے کہ انتظامات ملکی میں ان کو حصہ دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ ان انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ذمیوں کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے' عراق کا بندوبست جب پیش آیا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مال گذاری کے حالات دریافت کیے مصر میں جو انتظام کیا اس میں مقوقس سے اکثر رائے لی۔ (مقریزی جلد اول صفحہ ۷۶)

جان و مال و جائداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ ان کی پابندی کی جاتی تھی۔ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال

۱؎ [illegible] فتوح البلدان [illegible] صفحہ [illegible] ۲؎ کتاب الخراج

سے ۴ ہزار درہم اس کو معاوضہ دلوائے[1] اضلاع کے حکام کو تاکیدی فرمان بھیجتے تھے کہ ذمیوں پر کسی طرح زیادتی نہ ہونے پائے۔ خود بالمشافہ لوگوں کو اس کی تاکید کرتے رہتے تھے قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند ذمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سر پر تیل ڈالا جا رہا۔ لوگوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا اس لئے ان کو سزا دی جاتی ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ آخر ان کا کیا عذر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ "ناداری" فرمایا کہ چھوڑ دو اور ان کو تکلیف نہ دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے **لاتعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم اللّٰہ یوم القیامۃ** یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں پر عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب پہنچائے گا"۔

ذمیوں کی شرائط کا ایفا

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے

> **وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرار بھم واکل اموالھم بحلھا ووف لھم بشرطھم الذی شرطت لھم فی جمیع ما اعطیتھم۔**
>
> (کتاب الخراج صفحہ ۸۲)
>
> "مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں نہ ان کا مال بے وجہ کھانے پائیں اور جس قدر شرطیں تم نے ان سے کی ہیں سب وفا کرو"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے قریب خلیفہ ہونے والے شخص کے لئے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی۔ اس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابوبکر بیہقی، جاحظ اور بہت سے مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ اس کا اخیر فقرہ یہ ہے

واوصیہ بذمۃ اللّٰہ وذمۃ رسولہ ان یوفی لھم بعھدھم وان

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔

یقاتل من ورائہم و ان لا یکلفوا فوق طاقتہم۔

(صحیح بخاری صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ میرٹھ)

"یعنی میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور انکی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے"۔

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔

غرفہ ایک صحابی تھے ان کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی غرفہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا' عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی۔ انہوں نے غرفہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی' غرفہ نے واقعہ بیان کیا عمرو بن العاص نے کہا' ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے' غرفہ نے کہا نعوذ باللہ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی کہ رسول اللہ کو اعلانیہ گالیاں دیں۔ ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ اپنے گرجاؤں میں جو چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔ عمرو بن العاص نے کہا ہاں یہ سچ ہے۔[1] اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے۔

مذہبی امور میں آزادی

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی تھی وہ ہر قسم کی رسوم مذہبی ادا کرتے تھے علانیہ ناقوس بجاتے تھے صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے ان کے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے۔ مصر میں اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو سنہ ۲۰ ہجری میں اسکو تحریری امان لکھ کر بھیجی۔ وہ نہایت ممنون ہو کر آیا۔ اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (جلد اول صفحہ ۴۹۲) میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ معاہدات میں ان امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا بھی حق احترام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ غرفہ۔

نیت وضع پر تعامل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے

لا یغیرون عن ملتو لا یحال بینهم و بین شرائعهم

(طبری صفحہ ۲۶۳۳)

"ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا اور ان کے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی"۔

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لهم الامان علی انفسهم واموالهم ومللهم وشرائعهم ولا یغیر شیء من ذلك۔ (طبری صفحہ ۲۶۵۸)

"ان کے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امن ہے اور ان میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا"۔

آذربائیجان کے معاہدے میں یہ تصریح تھی۔

الامان علی انفسهم واموالهم وشرائعهم۔ (طبری صفحہ ۲۶۶۲)

"جان و مال مذہب اور شریعت کو امان ہے"۔

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے

الامان علی اموالهم وانفسهم وملتهم وشرائعهم۔

"جان، مال، مذہب اور شریعت کو امن ہے"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا ورنہ ہمیشہ وہ یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا ایک عیسائی غلام تھا اس کو ہمیشہ اسلام قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا **لا اکراه فی الدین** یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔ (ازالۃ الخفا بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۰۹)

مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی

تھی کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا ہے تو بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا۔ مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوۃ وصول کی جاتی تھی۔ جس کی مقدار دونوں سے زیادہ تھی۔ اس کے سوا عشور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا۔ البتہ اس کی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی بیت المال سے والنٹیروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہ ملتی تھی ذمی اس میں بھی برابر کے شریک تھے سب سے بڑھ کر یہ (اور در حقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے) کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپاہج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی مرعی تھی۔ اول اول یہ قاعدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن الولید نے حیرہ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابه آفة من الآفات او كان غنيا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه وطرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام ولو ذهبوا فليس على المسلمين النفقة على عيالهم (کتاب الخراج صفحہ ۸۵)

”اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آ جائے یا پہلے دولت مند تھا پھر غریب ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور اس کو اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔“

یہ قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت **انما الصدقات للفقراء والمساکین** (صدقہ اور خیرات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے) اس میں فقراء کے لفظ سے مسلمان اور مساکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عمر نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کہ کیوں بھیک مانگتا ہے؟

اس نے کہا "مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ساتھ گھر پر لائے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں"۔

(کتاب الخراج صفحہ ۷۲)

ذمیوں کی عزت کا خیال

ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی قدر خیال تھا جس قدر مسلمانوں کی عزت و ناموس کا۔ ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا عمیر بن سعد جو حمص کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا۔ **اخزاک اللہ** یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے اس پر ان کو اس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ "اسی نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی"۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۰)

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی ان کے ساتھ مروت کو ملحوظ رکھا گیا۔ آج کل جن حکومتوں کو تہذیب و تمدن کا دعویٰ ہے رعایا کے ساتھ ان کی تمام عنایت اسی وقت تک ہے جب تک ان کی طرف سے کوئی پولیٹیکل شبہ پیدا نہ ہو۔ ورنہ دفعتہً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پر غیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم کسی حالت میں جادۂ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام عربسوس تھا اور جس کی سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ لیکن یہاں کے لوگ در پردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور ادھر کی خبریں ان کو پہنچاتے

رہتے تھے عمیر بن سعدؓ اس کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی رخصت کا جو حکم دیا تھا وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو تاکید کی کہ ان کی زمین، مویشی اور اسباب سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دوچند قیمت دے دو۔ اور ان سے کہو اور کہیں چلے جاؤ۔ اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو ایک برس کی مہلت دو۔ اور اس کے بعد جلا وطن کر دو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ لیکن کیا آج کل کوئی قوم اس درگذر اور عفو و رحمت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟ ذمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانوں کے لئے رسد بہم پہنچاتے تھے لشکر گاہ میں بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صرف سے سڑکیں اور پل تیار کراتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آکر کہتے تھے حالانکہ یہ دشمن انہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو انقلاب پیدا ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے۔ عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ "خدا کی قسم تم رومیوں کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو"[1]۔

اخیر میں ہم کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یا خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ ناانصافانہ سلوک کئے۔

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنار باندھیں۔ لمبی ٹوپیاں پہنیں۔ گھوڑوں پر کاٹھی نہ کسیں۔ نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں۔ شراب اور سور نہ بیچیں۔ ناقوس نہ بجائیں۔ صلیب نہ نکالیں۔ بنو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ ان سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۷

خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے جلا وطن کر دیئے۔ بے شبہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں اور ہم ان کے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے کیونکہ ایک زمانہ دراز کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بہت پردے ڈال دیئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے۔ لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا۔ لباس کی بحث میں تحقیق طلب امر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمیوں کو جس لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی آیا وہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا ہے۔ جس شخص نے عجم کی تاریخ پڑھی ہے۔ وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاہدہ جس کو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ راویوں نے اس کو بہت کچھ کم و بیش کر دیا ہے۔ تاہم چونکہ ذمیوں کی طرف سے اقرار نامہ ہے کہ ہم فلاں فلاں لباس نہ پہنیں گے وہاں یہ الفاظ بھی ہیں۔ **وان نلزم زینا حیث ما کنا** (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۰۳) یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آئے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

زنار جس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان میں ہے اس کی نسبت ہمارے فقہاء نے اکثر غلطیاں کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ انگل برابر موٹا ایک قسم کا جنیو ہوتا تھا اور اس سے ذمیوں کی تحقیر مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے زنار کے معنی پیٹی کے ہیں۔ اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اس معنی میں مستعمل ہے۔ پیٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے زنار اور منطقہ مترادف الفاظ ہیں ان دونوں الفاظ کا مترادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے۔

کنز العمال میں بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا **وتلزموهم المناطق** یعنی **الزنانیر** زنار کو کستیج بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنار کے کستیج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ بہرحال اہل عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب

مروج الذہب میں لکھی ہے' ایک قطعی دلیل اس بات کی یہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا۔ یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا۔ لمبی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں یہی مجوس کی ٹوپیاں تھیں جس کا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے اس درباری لباس میں پٹکا بھی داخل تھی۔ اور یہ وہی زنار یا منطقہ یا کستیج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مؤرخین عرب نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تقلید تھی اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لباس کی نسبت تمام مؤرخین نے تصریح کی ہے وہ اگر کوئی جدید لباس تھا۔ اور ان کی تحقیر کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اسکو اپنا اور اپنے درباریوں کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

صلیب اور ناقوس کی بحث

ذمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے اور شراب بیچنے' صلیب نکالنے' ناقوس پھونکنے' اصطباغ دینے سے روکنا بے شبہ بیجا دست اندازی ہے لیکن میں بیباکانہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدوں کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری کئے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مؤرخوں نے ان قیدوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی۔

ولا یرفعوا فی نادی اہل الاسلام صلیباً (کتاب الخراج صفحہ ۸۰)

"یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں"۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی **یضربوا نواقیسهم فی ایۃ ساعۃ شاؤا من لیل او نہار الا فی اوقات الصلوٰۃ** (کتاب الخراج صفحہ ۸۹) یعنی ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں' بجز نماز کے اوقات کے' سؤر کی نسبت یہ الفاظ تھے۔ **ولا یخرجوا خنزیرا من منازلہم الی افنیۃ المسلمین** یعنی ذمی سؤر کو مسلمان کے احاطے میں نہ لے جائیں۔

ان تصریحات کے بعد کس کو شبہ ہو سکتا ہے کہ صلیب نکالنا یا ناقوس بجانا مطلقاً منع نہ تھا۔ بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کی جا سکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر بنی تغلب عیسائیوں کی اولاد کا اصطباغ

دے سکتا تھا اور یہ کہ

اصطباغ نہ دے سکنا

اس بات کی ممانعت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے پائے بے شبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام طور پر اس رسم کو روکنے کا کچھ حق نہ تھا۔ لیکن اس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کی اولاد کس مذہب پر پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہو گا کہ اس کو اصطباغ دے کر عیسائی بنا لیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورت خاص کے لئے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اسکو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے کیونکہ جب اس کا باپ مسلمان ہو گیا تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔

علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ **علی ان لا ینصروا ولیداً ممن اسلم آباءھم** (طبری صفحہ ۲۳۳۳) یعنی بنو تغلب کو اختیار نہ ہوگا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے ہیں ان کو عیسائی بنائیں۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں۔ **ان لا ینصروا اولادھم اذا اسلم آباءھم** (طبری صفحہ ۲۵) یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو سخت کیوں کیا۔ لیکن جواب یہ ہے یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا بلکہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہوں نے معاہدے کے لئے یہ شرائط پیش کیں تھیں۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لئے عیسائیوں کو اگرچہ یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور ناقوس نہ نکالیں۔ خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں نو مسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطباغ نہ دیں تو کیا کوئی شخص اس کو تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مؤرخوں نے ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا۔ بلکہ قدما میں بھی یہ

تعصب آمیز جمعیت رکھتے تھے۔ روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے۔ یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عام زبان سرتاپا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہاء چونکہ تاریخی حیثیت سے کم واقفیت رکھتے تھے انہوں نے بے تکلف انہی روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فقہ کے مسائل تفریع کر لئے۔

عیسائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلا وطن کرنے کے معاملے میں حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا ان سے کہہ دیا گیا کہ جس وقت مناسب سمجھا تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ان کی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ بالا خانہ سے دھکیل دیا۔ جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آیا مجبوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان کیں۔ اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الشروط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی یمن اور اس کے اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں۔ اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس ضرورت سے ان کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔ (کتاب الخراج صفحہ ۴۲)

غرض یہ امر تمام تر صحیح شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولیٹیکل ضرورتوں کی وجہ سے جلا وطن کئے گئے۔ اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کسی قسم کی رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ فدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ ان کی زمین اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے۔ چنانچہ تخمینہ قیمت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے ان کو دلوا دی تھی۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی ان کی زمین کی قیمت دلوا دی۔ (فتوح البلدان صفحہ ۳۰)

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا تو ان

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۶۴

کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں۔ ان کو امن کا جو پروانہ دیا اس میں یہ شرطیں لکھیں۔

① عراق یا شام جہاں یہ لوگ جائیں، وہاں کے افسران کی آبادی اور زراعت کے لئے ان کو زمین دیں۔

② جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے کر جائیں وہ ان کی مدد کریں۔ ۲۴ مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدہ کو بالفاظہا نقل کیا ہے (کتاب مذکور صفحہ ۴۱)

ایک ایسی قوم جس کی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جا سکتی ہے۔ اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ متعدد زبانوں (اردو، عربی، انگریزی) میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضروری ہے۔

جزیہ کی بحث

جزیہ کا موضوع اور مقصد اگرچہ ابتدائے اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا ہے کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ البتہ انہوں نے نوشیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں اور اس طریقہ سے گویا صاف بتا دیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے اس کے علاوہ موقع بہ موقع عملی طور پر اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے اسلامی فوجیں شام کے شمالی حصوں سے ہٹ آئیں اور ان کو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے وہ جزیہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص، دمشق وغیرہ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اب ذمہ نہیں اٹھا سکتے تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی اور صاف کہہ دیا کہ اس وقت ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو باوجود ان کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف

کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سنہ ۱۵ ہجری میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ۔

یستعینوا بمن احتاجوا الیہ من الاساورۃ ویرفعوا عنہم الجزاء

(طبری صفحہ ۲۴۹۷)

”یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اس سے مدد لے لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔“

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تو اس سال کا جزیہ اس کے لئے معاف کر دیا گیا ۲۲ ہجری میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا۔

ومن حشر منہم فی سنۃ وضع عنہ جزاء تلک السنۃ

”یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔“

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر براز سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے۔

وعلی اہل ارمینیہ ان ینفروا لکل غارۃ وینفذوا لکل امر ناب اولم ینب رآہ الوالی صلاحاً علی ان توضع الجزاء (طبری صفحہ ۲۶۶۵)

اسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی۔

ان لکم الذمۃ وعلینا المنعۃ علی ان علیکم من الجزاء فی کل سنۃ علی قدر طاقتکم ومن استعنا بہ منکم فلہ جزاؤہ فی معونتہ عوضاً عن جزائہ (ایضاً)

”یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدلہ جزیہ معاف ہو جائے گا۔“

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال سے، معاہدوں سے، طرز عمل سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ جزیہ کا موضوع کیا تھا اور وہ کس غرض سے مقرر کیا تھا۔

جزیہ کا صرف فوجی مصارف پر محدود تھا۔ یعنی اس رقم سے صرف اہل فوج کے لئے خوراک لباس اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

جہاں جہاں جزیہ مقرر کیا اس کے ساتھ جنس اور غلہ بھی شامل کیا۔ مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد اور اصل چار دینار تھی۔ لیکن وہ نقد اور پیداوار کے عوض گیہوں، روغن زیتون، شہد، سرکہ لیا جاتا تھا۔ اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی۔ البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقد کر دی گئی اور جنس کے بجائے چار دینار لئے جانے لگے۔

(فتوح البلدان صفحہ ۲۱۴)

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا۔ اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری اور ہمسری ہو گئی۔ عرب میں انہوں نے سرے سے اس کا استیصال کر دیا۔ اور اس میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے۔ اس کے ساتھ یہ اصول قائم کیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ ان کا یہ قول ہے کہ **لا یسترق عربی**'

عرب کا غلام نہ ہو سکنا

یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور ائمہ فن نے ان کے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا۔ امام احمد حنبل کا قول ہے **لا اذہب الی قول عمر لیس علی عربی ملک** یعنی میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے لیکن یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ یہ تھا؎۔ (منتقی الاخبار ابن تیمیہ)

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے۔ جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو اہل فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا ان کی غلامی میں دے دی جائے ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بند کر دی۔ لیکن غلامی کے لئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا۔

؎ کنز العمال میں امام شافعی کی روایت سے یہ قول منقول ہے دیکھو کتاب ذوار صفحہ ۳۰۲ جلد دوم

اس لئے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا۔ جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح ہوئے ان کی وسعت ۲۲ ہزار میل تھی جس میں کروڑوں آدمی بستے تھے، لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکہ جنگ میں شریک تھے عرب اور مصر کی جو بجائے خود مستقل سلطنتیں تھیں ان میں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا یہاں تک ۔

کہ جب مصر کے بعض دیہات کے لوگ جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دیئے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو جا بجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا کہ ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔ چنانچہ مؤرخ مقریزی نے ان دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شام کے شہروں میں بصریٰ، فحل، طبریہ، دمشق، حمص، حمو، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور شور سے لڑے غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے جہاں اسیران جنگ غلام بنائے گئے۔ فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ وغیرہ میں خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دیئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہوگا۔ سامغان، جندی، سابور، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ **لا یسبوا** یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناذر میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو۔ اور خراج و جزیہ مقرر کر دو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حکم بھیجا۔ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا۔ یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جا سکتی جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی۔ یہ قاعدہ خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ چنانچہ مؤرخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا۔ جس کو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر رقم ادا کروں گا جب وہ زر معینہ ادا کر دیتا ہے تو وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خود قرآن میں موجود ہے **فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا** لیکن فقہاء اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے کہ معاہدے کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وجوبی قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب میں

ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو درے لگائے اور مذکورہ بالا آیت سند میں پیش کی۔ آخر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبوراً ماننا پڑا۔

بتانا ضرور ہے عام طور پر مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر دی جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسین کو، ایک محمد بن ابی بکر کو، ایک عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ہے ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے ورنہ تو زمخشری کے سوا طبری، ابن اثیر، یعقوبی، بلاذری، ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں ہوا۔ مدائن کے معرکے میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں پھرتا رہا۔ مرو میں پہنچ کر سنہ ۳۰ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مارا گیا۔ اس کی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۱۰ برس کی تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے اور فارس سنہ ۱۶ ہجری میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر کس قدر مستبعد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے غرضیکہ کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہے اس میں وہی برتاؤ کیا گیا جو تہذیب و انسانیت کا مقتضا تھا اور جو آج بھی تمام مہذب سلطنتوں میں جاری ہے عمرو بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی تو بلبیس پر حملہ ہوا سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جس کا نام ارمانوسہ تھا بلبیس میں تھی وہ بھی گرفتار ہوئی۔

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

عمرو بن العاص نے اس کو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لئے اپنے ایک سردار کو جس کا نام قیس بن ابی تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے۔ (مقریزی جلد اول صفحہ ۱۸۴)

عام غلاموں کے ساتھ مراعات

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلامی روکنے کے لئے کئے لیکن جو لوگ غلام بنا لئے گئے تھے ان کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی۔ فوجی انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہو گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کی بھی انہی کے برابر تنخواہ مقرر کی۔ بعد کی تمام کارروائیوں میں بھی انہوں نے یہ اصول ملحوظ رکھا۔ اضلاع کے جو عمال تھے ان کی نسبت وہ اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا ہے۔ چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتے تو صرف اسی جرم پر ان کو معزول یا موقوف کر دیتے تھے (طبری صفحہ ۲۷۷۰)

اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔ سرداران فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے تو وہ گویا تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائے گی۔ اور فوج کو اس کا پابند ہونا ہو گا۔ چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے۔ ان عبد المسلمین من المسلمین وذمتہ من ذمتہم یجوز امانہ۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰)

غلاموں کو اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا

غلاموں کے لئے بڑی تکلیف کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے۔ بیٹا باپ سے چھوٹ جاتا تھا۔ بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی۔ آج جو لوگ غلامی کی برائیوں پر مضامین لکھتے ہیں، وہ اسی واقعہ کو درد انگیز صورت میں دکھاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ ہونے پائے یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی میں رہے۔ باپ، بیٹے، بھائی، بہن، ماں، بیٹیاں بکتی تھیں تو ساتھ بکتی تھیں۔ اور جن کی غلامی میں رہتی تھیں ساتھ رہتی تھیں۔ اس باب میں ان کے جو احکام ہیں ان کو کنز العمال میں مستدرک حاکم، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

لا یفرق بین اخوین اذا بیعا لا یفرقوا بین الام وولدھا لا یفرق بین السبایا و اولادھن۔

یعنی جب دو بھائی بیچے جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے
یعنی بچہ ماں سے الگ نہ کیا جائے یعنی لونڈی غلام ہو کر گرفتار ہو
کر آئیں تو بچے ماں سے علیحدہ نہ کئے جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا۔ **وتقطعوا ارحامکم** اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا اور ان کے بیٹے شرجیل کو کوفہ میں کسی کام پر مامور کیا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دور پھینک دیا ہے۔ (فتوح البلدان صفحہ ۳۸)

غلاموں میں اہل کمال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا اور عرب کو جو نمونے

دکھلائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال لوگ پیدا ہو گئے جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ جو آئمہ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے اور جن کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ کی جرات دی تھی۔ نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں' یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے۔

علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں لوگ کنیزوں اور کنیز زادیوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ لیکن جب قاسم (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور سالم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لونڈی غلاموں کی قدر بڑھ گئی۔ لیکن ہمارے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصل سبب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق عمل تھا۔ بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدین کا نام اس سلسلے میں بے ادبی خیال کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلے پر اثر کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امہات اولاد کا یہ رتبہ قائم نہ کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع ہی کیونکر ہاتھ آتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ نئی یہ مسئلہ نہیں ایجاد کیا تھا۔ اور نہ خدانخواستہ ان کو یہ حق تھا۔ غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود پیغمبر اسلام کا مقصد تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب المفرد میں غلاموں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں ان سے اس دعویٰ کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر' عدل و انصاف

عام سلاطین اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سیاست میں فرق

خلافت فاروقی بسیط عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے اور کس قدر مختلف ملک' مختلف مذاہب' مختلف قومیں' اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ لیکن اس سرے سے اس

عرب تک ہر طرف امن وامان اور سکون واطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاہ وجلال گزرے ہیں جن کی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن ان کو یہ بات اس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جس کے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر عدل وانصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے۔ واقعات کے ثبوت میں یقین کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے وحشیانہ سزائیں دی جائیں آبادیوں کو جلا کر برباد کر دی جائیں۔ یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے اب بھی یورپ کو باوجود اس تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکا۔ عربسوس والوں نے بار بار عہد شکنی کی تو ان کو جلاوطن کیا لیکن اس طرح کہ ان کی جائیداد اور مال واسباب کی مفصل فہرست تیار کرا کے ایک ایک چیز کی دوگنی قیمت ادا کر دی۔ نجران کے عیسائیوں نے خود کئی دفعہ اور سرکشی کی تیاریاں کیں۔ اور دس ہزار آدمی بہم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرایا۔ مگر اس رعایت کے ساتھ کہ ان کی جائیداد وغیرہ کی قیمت دے دی۔

اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جدھر ان کا گزر ہو ان کے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں اور جب یہ کہیں مستقل قیام کر لیں تو چوبیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے

(ان واقعات کو ہم ذمیوں کے حقوق کے بیان میں اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور وہاں کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے)

حضرت عمرؓ کی مشکلات

شاید تم کو یاد ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی رعایا ہاتھ آئی تھی جس میں زیادہ تر اطاعت وانقیاد کا مادہ تھا۔ اور اس لئے ان کو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا غیر قومیں جو حلقہ اطاعت میں آئی تھیں۔ پارسی یا عیسائی تھیں جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں۔ اس لئے ان کو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہو سکتا تھا۔ اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحب ادعا موجود تھے جو حضرت عمرؓ کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے مثلاً ایک مؤلفۃ القلوب کا گروہ

تھا جن کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی میں سے نہیں۔ عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اخراج کے معاملے میں تنگ پکڑا تو انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قدرت ہے! جاہلیت میں میرا باپ جب کمخواب کی قبا زیب تن کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے"۔ بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں علانیہ نقض خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ "زبیر وجمعے از بنو ہاشم در خانہ حضرت فاطمہ جمع شدہ در باب نقض خلافت مشورہ بکار می بردند"۔

(ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۲۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت نے بنو ہاشم کے ادعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹ کیونکر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ عرب کا فطری مذاق آزادی اور خود سری تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو مٹا کر حکومت کا رعب و داب قائم رکھتے تو چنداں قابل تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے بارہا مجامع عام میں لوگ ان پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیاں کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے شام کے سفر میں جب انہوں نے مجمع عام میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کی وجہ اور اپنی براءت بیان کی تو ایک شخص نے وہیں ٹوک کر کہا۔

(اسد الغابہ تذکرہ عمرو بن حفص المخزومی)

واللّٰہ ما عدلت یا عمر! لقد نزعت عاملاً استعملہ رسول اللّٰہ ﷺ
وغمدت سیفاً سلہ رسول اللّٰہ ﷺ ولقد قطعت الرحم و حسدت ابن
العم۔

"یعنی اے عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا۔ تو نے رسول اللہ ﷺ
کے عامل کو موقوف کر دیا۔ تو نے رسول کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں
ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا تو نے اپنے چچیرے بھائی سے حسد کیا"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب سن کر کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں

غصہ کیا۔

ان حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالد کو عین اس وقت جب تمام عراق و شام میں لوگ ان کا کلمہ پڑھتے تھے معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی قسم کا خیال دل میں نہ لا سکے امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے ان کو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص کے سامنے ان کو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے لگوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشہ دیکھا کئے۔ سعد وقاص کو فاتح ایران کی معمولی شکایت پر جواب دہی میں طلب کیا تو ان کو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا۔ کسی مدبر اور فرمانروا کے حالات میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی ان کی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آئین حکومت میں شاہ و گدا، شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ سب کا ایک رتبہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں

جبلہ بن الایہم غسانی شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اس نے بھی برابر جواب دیا۔ جبلہ غصے سے بیتاب ہو گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی شکایت سن کر کہا "تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی" اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ "ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا" اس نے کہا کہ "اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔" غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ ملک کے عہدہ داروں کو حج کے زمانے میں طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے

ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر مصر اور بڑے بڑے رتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سو درے مارے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اٹھ اور اپنا بدلہ لے۔ عمرو بن العاص نے کہا امیر المومنین اس طریق عمل سے تمام عمال بے دل ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "ہم ایسا ضرور ہو گا" یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ "اپنا کام کر" آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے لے اور اپنا دعویٰ سے باز آئے۔

ایک دفعہ سرداران قریش ان کی ملاقات کو آئے۔ اتفاق سے صہیب، بلال، عمار وغیرہ بھی موجود تھے جن میں اکثر آزاد شدہ غلام تھے اور بہ لحاظ حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابو سفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے ان کو یہ امر سخت ناگوار گزرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ "کیا خدا کی قدرت ہے غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں" ابو سفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا "بھائی سچ یہ ہے کہ ہم کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیئے اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔" (کتاب الخراج صفحہ ۲۴)

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافرت کا موقع پیش آیا۔ سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز کے خوگر تھے بڑے دعوے کے ساتھ منتظر رہے کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظ مراتب کا خیال کیا جائے گا۔ اور فہرست میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے تمام خیالات غلط کر دیئے۔ انہوں نے دولت و جاہ، زور و قوت، ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہ کم و بیش مقرر کیں۔ جو لوگ اول اسلام لائے تھے یا جہاد میں کارہائے نمایاں کئے تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے ان کو غیروں پر ترجیح دی جو ان خصوصیتوں میں برابر درجہ تھے ان کی تنخواہیں برابر مقرر کیں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا

میں کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی کس خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے سے زیادہ مقرر کی تو انہوں نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں نعرے اپنے اپنے قبیلہ کی جے پکارتے تھے۔ اس نعرہ کو مٹانے کے لئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں ان کو سخت سزا دی جائے"۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضبہ کے قبیلہ سے تھا لڑائی میں آیا آل ضبہ کا نعرہ لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اس کی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔ (فتوح البلدان صفحہ ۲۵۲)

اصول مساوات

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو"۔ عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود اختیار نہ کریں۔

ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ "یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی سبب تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھی تھی۔ سفر و حضر میں جلوت و خلوت میں مکان اور بازار میں کوئی شخص ان کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفۂ وقت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے ایلچی مسجد نبوی میں آ کر ڈھونڈتے تھے کہ شہنشاہ اسلام کہاں ہیں۔ حالانکہ شاہنشاہ وہیں پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ان کے عمال ان کو اسی برابر کے القاب سے خط لکھتے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی اعلیٰ شان کو صدمہ پہنچتا تھا۔ دل میں کدر ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا۔ اس لئے عام ملک پر اس

کا نہایت عمدہ اثر ہوا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ خود بخود معترف ہوتے گئے اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میدان عام کے مقابلے میں اپنی خود رائی کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔

اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائل عرب میں جو اتنی بیہودہ مفاخرت کی بناء پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جس کی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدان کارزار بن گیا تھا۔ ان کی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المومنین کا پُر فخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کفار عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امیر مکہ کہا کرتے تھے۔ سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا۔ مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب بامیر المومنین

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدے کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیر المومنین کا لفظ ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ عمرو بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کیفیت واقعہ بیان کی۔ اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اس کو شہرت عام ہو گئی۔ اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انہوں نے خلافت اختیار کیوں کی؟ بے غرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوان نعمت کو ہاتھ تک نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے شبہ خلافت سے ہاتھ اٹھاتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اس کو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بار گراں ان کے سوا کسی سے اٹھ نہیں سکتا! اپنے وقت میں

---

[1] [illegible] قاری کی کتاب ادب الکتاب مطبوعہ [illegible] مصر

ان کی راست بازی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ بیہودہ اور احمق لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے خلافت سے دستبردار ہو جاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انہوں نے اسی دن خطبہ میں کہا تھا کہ۔

لولا رجائی ان اکون خیرکم لکم واقواکم علیکم واشدکم اضطلاعا بما ینوب من مہم امورکم ما تولیت ذلک منکم۔

"یعنی اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد سب سے زیادہ قوی اور مہمات امور کے لئے سب سے زیادہ قوی بازو والا ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا۔"

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہیں جو امام محمد نے موطا میں روایت کئے ہیں۔

لو علمت ان احدا اقوی علی ھذا الامر منی لکان ان اقدم فیضرب عنقی اھون علی۔ (کتاب الآثار محمد مطبوعہ نظامی صفحہ ۲۰۳)

"یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کے لئے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے کی بہ نسبت میرے نزدیک زیادہ آسان تھا کہ میری گردن مار دی جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کا ایک حرف بھی صداقت اور واقعیت سے ہٹا ہوا ہے؟

سیاست

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ دیگر تمام صحابہ سے علانیہ ممتاز ہیں جو ممالک دائرہ خلافت میں داخل تھے ان کی اصلی قومیں مختلف تھیں عرب، ایران، شام و مصر، اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب الگ الگ تدبیریں اختیار کیں۔ عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور اسلامی فتح کے بعد بھی ان کا زور و اقتدار قائم تھا اس لئے ان کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل رام ہو گئے چنانچہ رؤسائے عراق میں سے ان اشخاص جابان، بسطام، نرسی، رفیل، نماردا، جمیل کے لئے دو دو ہزار مقرر کر دیئے۔ شام اور مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائیداد نہیں چھوڑا تھا اس لئے ان کی طرف

سے چنداں اندیشہ نہ تھا۔ وہ رومی حکومت کی بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ انہوں نے بارہا کہا کہ ہم کو مسلمان رومیوں کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ غیر قوموں کے ساتھ اگرچہ ان کا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا۔ چنانچہ اس کی بحث ذمیوں کے حقوق میں گزر چکی۔ لیکن زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔

مصر میں مقوقس مصر کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا۔ اس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کیے گئے کہ وہ ناخریدہ غلام بن گیا اور اس کی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے معتقد بجوش اطاعت ہو گئی۔ ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرا دیئے اور فوجی چھاؤنیاں قائم کیں جن کی وجہ سے سینکڑوں میل تک اثر پہنچا اور کسی بغاوت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا۔ خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔ شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں ان کو مختلف پولیٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلا نہ ہو۔ ملکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا اس کو علیحدہ کر دیتے تھے۔ جو لوگ ذی وجاہت اور صاحب اثر تھے ان کو اکثر دارالخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ "آپ لوگ بہت جہاد کر چکے ہیں"، پھر فرمایا **لاتعرجوا انسللوا یمیناً وشمالاً** (تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱) ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے پوچھا کہ "آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں" فرمایا کہ اس کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے۔ (تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱) اپنے قبیلے کے لوگوں کو بھی ملکی عہدے نہیں دیئے صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا عامل کیا تھا پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیئے اور اس میں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔

اس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے۔ امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہ۔ چونکہ مصلحت ملکی کے انجام دینے کے لئے ان دونوں سے بہتر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیر کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ ان کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان کو دبا سکتا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوئے سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالیٹکس حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس باب میں تمام دنیا پر جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو کام کئے ان کا نام واقعی صریح مکر، فریب، ظاہرداری اور نفاق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں بڑے بڑے زہاد مرتاض اس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی کارروائی پر فریب اور حکمت عملی کا نقاب نہیں ہوتا تھا۔ وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے اور لوگوں کو صاف صاف اس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیج دیا کہ۔

انی لم اعزل خالدا عن سخطة ولا خیانة ولکن الناس فتنوا به فخفت ان یوکلوا الیه۔

"یعنی میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں نہیں موقوف کیا بلکہ اس وجہ سے کہ لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے اس لئے میں ڈرا کہ ان پر بھروسہ نہ کرلیں۔"

مثنیٰ کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے اور فرمایا۔

لم اعزلهما عن ریبة ولکن الناس عظموهما فخشیت ان یوکلوا الیهما۔ (طبری صفحہ ۲۵۲۸)

بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں حضرت عبد اللہ بن عباس سے صاف اس کی وجہ بیان کر دی۔ چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور ان کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حکومت و انتظام ملکی میں نہایت موزوں پرزے استعمال کئے تھے۔

عہدہ داران سلطنت کا عمدہ انتخاب

یہ عموماً مسلّم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت، ان میں سب سے بڑھ کر تھی۔ اسی ذریعہ سے انہوں نے تمام عرب کے قابل آدمیوں اور ان کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی اور انہی قابلیتوں کے لحاظ سے ان کو مناسب عہدے دیئے تھے سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں، اور در حقیقت ان لوگوں کے سوا شام و کوفہ و مصر پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

جنگی مہمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد وقاص، خالد، نعمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے اس لئے ان دونوں کی نسبت حکم دے دیا کہ ان کو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دی جائے۔ زید بن ثابت و عبداللہ بن ارقم انشاء و تحریر میں مشّاق تھے ان کو میر منشی مقرر کیا۔ قاضی شریح، کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ، عبداللہ بن مسعود فصل قضایا میں ممتاز تھے ان کو قضا کی خدمت دی۔ غرض یہ کہ جس کو جس کام پر مقرر کیا، وہ گویا اسی کے لئے پیدا ہوا تھا اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مؤرخوں نے بھی کیا ہے ایک مشہور عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا رو رعایت کیا اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزوں ہوا[11]۔

بے لاگ عدل و انصاف

سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنایا اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا۔ جس میں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر

جاتا تھا۔

ان کے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ۸۰ کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے[1] قدامہ بن مظعون جو ان کے سالے اور بڑے رتبے کے صحابی تھے جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ ان کو ۸۰ درے لگوائے۔

قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات سے واقفیت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اس کو اختیار کرتے تھے۔ خراج، عشور، دفتر، رسد، کاغذات، حساب ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اس کی اصلاح کر دی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔[2] جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا۔ تاہم اس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیرواں کے انتظامات و بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ

> **وھی الوضائع التی اقتدیٰ بھا عمر بن الخطاب حین افتتح بلاد الفرس۔**[3]
>
> "یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو ان کی اقتدا کی"۔

اس سے زیادہ مفصل اور مصرح علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے۔[4] علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بو علی سینا کے معاصر و ہمپایہ تھے تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارب الامم ہے اس میں جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتظامات ملکی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ

---

[1] ابو شحمہ کے قصے میں واعظوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو شرابخواری پر درے مارے اور اسی صدمہ سے انہوں نے انتقال کیا۔ (دیکھو معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمرؓ)

[2] کتاب الخراج صفحہ ۲۰۔ [3] تاریخ طبری صفحہ ۹۶۲۔ [4] یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ جامع ایا صوفیا میں موجود ہے اور میں نے اسی نسخے سے نقل کیا ہے۔

وكان عمر يكثر الخلوة بقوم من الفرس يقرؤن عليه سياسات
الملوك ولا سيما ملوك العجم الفضلاء وسيما انوشروان
وانه كان معجبا بها كثير الاقتداء بها۔

"یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے، یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے خصوصاً شاہان عجم اور ان میں بھی خاص کر نوشیروان کے اس لئے کہ ان کو نوشیروان کے آئین بہت پسند تھے اور وہ ان کی بہت پیروی کرتے تھے"۔

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا۔ اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے

واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے۔ انہوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وكان عمر لا يخفى عليه شئ فى عمله كتب اليه من العراق
بخروج من خرج ومن الشام بجائزة من اجيز فيها

"یعنی عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب تحریری اطلاعیں ان کو پہنچیں"۔

عراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو معدی کرب کو پورا حصہ نہیں دیا۔ عمرو معدی کرب نے وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ تمہارا گھوڑا دوغلا ہے اس لئے اس کا حصہ کم ہو گیا۔ معدی کرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا۔ بولے کہ ہاں 'دوغلا ہی دوغلے کو پہچان بھی سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی اور معدی کرب کو سخت تنبیہہ کی جس کی وجہ سے ان کو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی۔ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے

دولت و نعمت کے مزے میں پڑ کر انہوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المومنین یسوءہ تنادمنا بالجوسق المتھدم

"شاید امیر المومنین کو خبر پہنچے گی تو وہ برا مانیں گے کہ ہم لوگ محلوں
میں رندانہ صحبتیں رکھتے ہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔ (اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی)

صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگ جاتا تھا۔ عہد نبوت میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر کہلاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ منافقین کا جو گروہ ہے ان میں سے کوئی شخص میرے عمال اور عہدہ داروں میں بھی ہے؟ انہوں نے کہا "ہاں ایک شخص ہے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نام پوچھا لیکن انہوں نے رازداری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو معزول کر دیا۔ جس سے میں نے قیاس کیا کہ انہوں نے خود پتہ لگا لیا۔ اسی تفحص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وکانوا لا یحدثون حدثا ولا یاتونہ الا وامروہ لہ۔ (طبری صفحہ
(۲۲۸۴

"یعنی لوگ کوئی کام ان سے بغیر دریافت کئے نہیں کرتے تھے"۔

بیت المال کا خیال

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطے سے باہر نہیں سمجھتے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھاوا جمع تھا۔ اس کی نسبت فرمایا کہ۔

لقد ہممت ان لا ادع فیہا صفراء ولا بیضاء الا قسمتہ۔

(صحیح بخاری باب کسوۃ الکعبہ)

"یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے سب
لوگوں کو تقسیم کر دوں"۔

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ

۱؎ اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان۔

تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المومنین! اس میں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے کیونکہ میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جان پدر تیرا حق میرے خاص مال میں سے ہے لیکن یہ غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا وہ بیچاری خفیف ہو کر اٹھ گئیں۔ (مسند امام احمد حنبل)

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لے گیا تھا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کیے گئے۔ غرض وہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے گئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں۔ اس کارروائی کا مطلب اجازت کے سوا یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعے سے بسر کرتے تھے خلافت کے مہمات میں یہ شغل جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضروریات بیان کیں۔ اور کہا کہ بیت المال سے میں کس قدر اپنے مصارف کے لیے لے سکتا ہوں۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ "صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس"۔ چنانچہ ان کے اور ان کی بیوی بچوں کے لیے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا۔ فوجی وظیفہ داروں میں جب بدریین (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لیے تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سالانہ ان کے بھی مقرر ہو گئے۔ کروڑوں روپے کی آمدنی میں شہنشاہ اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اس کی یہ مقدار تھی۔

انسانی معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے

۱۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۳۔ ۲۔ تاریخ طبری وفات عمرؓ۔

تھے۔ زمین پر سو رہتے تھے۔ مہینوں گیہوں کا آٹا گھر میں نہیں پکتا تھا۔ اس کی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا۔ بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ ان کو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے چنانچہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب نکاح کیا تو ان کے شرف اور خاندان نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا اور اسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیئے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اس لئے اس کے باوجود دست مندی کے خمس میں سے اپنا حصہ نہ لیں گے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث آگے آئے گی انہوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا حمص کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو مقرر کرنا چاہا۔ لیکن ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ اس لئے بلا کر ان سے کہا کہ فی نفسی منک شئ یعنی میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

انی خشیت علیک ان تاتی علی الذی هو آت[1]

یعنی مجھے ڈر ہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو"۔

یہ صرف سوء ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عبد اللہ کو عامل مقرر کیا تو انہوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال کے باب میں جو کفایت شعاری اور تنگ درزی برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شورشیں کیں اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا۔ یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوالقربیٰ کی بنا پر رقمیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے دارالخلافہ سے سینکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن کی ایک ایک حرکت ان کے اشاروں پر موقوف تھی۔ انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو۔ فقہ کی ترتیب

---

[1] کتاب الخراج ابو یوسف صفحہ ۳ ۱۵)

اور افتاء جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا، اپنے ذاتی اشغال جدا تھے۔ تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا۔ اور کسی کام میں کبھی حرج نہیں ہوتا تھا۔ نہاوند کا سخت معرکہ جس میں تمام ایران امڈ آیا تھا پیش تھا کہ عین اسی زمانے میں سعد وقاص گورنر کوفہ کی شکایت گذری۔

تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی۔ چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا۔ اور ساتھ ہی بڑی کد و کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے مل کر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیئے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔ زیاد بن حدیر[1] ملکی محصل پر مامور تھے انہوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا۔ اس نے کہا کہ گھوڑا آپ رکھ لیجئے اور ۱۹ ہزار مجھ کو حوالہ کیجئے۔ دوبارہ عیسائی ان کی سرحد سے گزرا تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو۔ عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دے کر گھوڑے کو واپس لے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جا سکتا۔

ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں اس نے شکایت کی۔ فرمایا دوبارہ محصول نہیں لیا جا سکتا۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں "حنفی (مسلمان) ہوں جس نے تمہارا کام انجام دیا عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔

اس بات کا بہت سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں سے کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ عام حکم تھا اور اس کی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج

---

[1] یہ دونوں واقعے کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہیں۔

ازکار رفتہ اور مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز تو فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ لوگوں کا انتظام کیا گیا تو حکم ہوا کہ ایک جریب[1] آٹا پکایا جائے پک کر تیار ہوا تو ۳۰ آدمیوں کو بلا کر کھلایا گیا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکوایا اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک مہینے بھر کی خوراک کے لئے دو جریب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم ہوا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر آٹا مقرر کیا جائے اعلان عام کے لئے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اس کو گھٹائے گا اس سے خدا سمجھے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے

> **انی قد فرضت لکل نفس مسلمۃ فی شھر مدی حنطۃ وقسطی خل۔**
>
> "یعنی میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا ہے"۔

غربا اور مساکین کے روزینے

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی فرمایا "ہاں غلام کے لئے بھی"[2] غربا اور مساکین کے لئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جیسا ہم اوپر ذمیوں کے حقوق میں لکھ آئے ہیں۔ بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ **انما الصدقات للفقراء والمساکین** فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔

مہمان خانے

اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ مدینہ منورہ میں جو لنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے۔

---

[1] قریباً ۲۵ سیر کا ہوتا ہے

[2] یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۴۶۳ میں ہے اور امام ابو یوسف نے بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے

لاوارث بچے

اولاد لقیط یعنی گمنام بچے جن کو مائیں شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں، ان کے لئے ۱۸ھ ہجری میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اس کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے۔ چنانچہ ان مصارف کے لئے اول سو درہم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھی۔

یتیموں کی خبرگیری

یتیموں کی پرورش اور نگرانی کی جو جائداد ہوئی تھی تو اس کی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعہ اسے ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے تم اس کو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو واپس کر دو۔ چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچ گئی۔

قحط کا انتظام

۱۸ھ ہجری میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجب سرگرمی ظاہر کی۔ اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا۔ پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے۔ عمرو بن العاص نے بحر قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کئے جن میں ایک ایک میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان جہازوں کے ملاحظہ کے لئے خود بندرگاہ تک گئے جس کا نام جار تھا اور مدینہ منورہ سے تین منزل ہے۔ بندرگاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا نقشہ بنائیں۔ چنانچہ بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار ہوا۔ ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی۔ جس کے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ چک پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہر ثبت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کرواتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے اس موقع پر یہ بات خاص طور پر

ے یہ تفصیل یعقوبی صفحہ [illegible] میں ہے انہی کے الفاظ یہ ہیں: وامر زید بن ثابت ان یکتب الناس علی منازلہم وامر لہم بصکاک [illegible] ثم ختم اسافلہا فکان اول من صک وختم اسفل الصکاک [illegible]

[illegible]

جتا دینے کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا بڑا اہتمام تھا لیکن ان کی فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کاہلی اور مفت خوری کا رواج دینا ہوتا ہے۔

رفاہ عام کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نکتہ سنجی

ایشیائی سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے فخر سے کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے جہاں ایک بادشاہ کی عظمت ٹپکتی ہے دوسری طرف قوم کا درجہ گر جاتا اور انعام و بخشش پر لو لگائے رہنا ثابت ہوتا ہے یہی ایشیائی فیاضیاں تھیں جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں آدمی ایسے پیدا کر دیئے ہیں جو خود ہاتھ پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور نذر و نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بے خبر نہ تھے وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے۔ جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھیں، وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی۔ یا جنہوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی یا وہ ضعیف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے۔ ان اقسام کے علاوہ وہ کسی اور قسم کی فیاضی کو روا نہیں کر سکتے تھے۔

محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگنا ہے مانگ، علامہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو محنت سے کمانے کے قابل ہوں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ و تادیب کرے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ **وقد فعل عمر مثل ذلک بقوم من اهل الصدقة**

(الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۴۳)

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے؟ اور جب لوگ کہتے کہ نہیں تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا۔ ان کا مقولہ تھا کہ **مكسبة فيها دناءة خير من مسألة الناس** یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے

سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے۔ مفت خوری کا مرض تو زیادہ تر علماء و صوفیا کو لاحق ہے ان کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علماء تو انہوں نے علانیہ مخاطب کر کے کہا **لاتکونوا عیالاً علی المسلمین** یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو (سیرۃ العمرین، ابن الجوزی)

جزئیات پر توجہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو ہمیشہ بڑے بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا۔ تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کے لئے ان کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر شان خلافت کے خلاف تھا۔ لیکن ان کو کسی کام سے عار نہ تھا۔

روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور عسفان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے۔ روزینہ داروں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ان کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب کے سب گھروں سے نکل آتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دارالصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر ان کے دانت گنتے اور ان کا حلیہ قلمبند کرتے

محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں۔ وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالے کرتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے تھے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائے گا تم جواب لکھوا رکھو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے گا۔ کاغذ، قلم اور دوات خود مہیا کر دیتے۔ اور جس گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے

رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل

ان کی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت ان تک پہنچنے سے نہ رہ جائے۔ یہ معمول رکھا کہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد میں بیٹھ جاتے اور جس کو جو

پھر ان سے کہہ سکتا ہو یا کہتا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے۔ سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے۔ بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے ان سے ہر قسم کی پرس و جو کرتے۔

سفارت

ایک عمدہ طریقہ بروقت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتی تھیں۔ اور وہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتے۔ اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آئیں اور جس طرح انہوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں۔ اس کا حال عقد الفرید وغیرہ میں بتفصیل ملتا ہے۔

شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری

ان تمام باتوں پر ان کو تسلی نہ ہوتی تھی فرماتے کہ عمال رعایا کی پروا نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ اس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہریں۔ لیکن موت نے فرصت نہ دی۔ تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں۔ اور دادرسی کی۔ اس سفر میں ایک پر عبرت واقعہ پیش آیا۔ دارالخلافہ کو واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا، سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے ایک بڑھیا عورت نظر آئی۔ اس سے پوچھا عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟

اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اس کو غارت کرے، آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اتنی دور کا حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔" بولی کہ "اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت رقت ہوئی۔ اور بے اختیار رو پڑے۔ ہم اس موقع پر متعدد حکایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبر گیری میں ان کو کس قدر

۱؎ کنز العمال جلد دوم صفحہ [illegible]

سرگرمی اور ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اترا۔ اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذر ہوا تو بچے کو روتا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا۔ کہ تو بڑی بے رحم ماں ہے۔

اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک ماں کا دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمرؓ تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہو گا' اسی دن سے منادی کرا دی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ اسلم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گشت کے لئے نکلے۔ مدینہ سے تین میل پر صرار کا ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ کئی وقت سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے۔ ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت اٹھے۔ مدینہ میں آکر بیت المال سے آٹا' گوشت' گھی اور کھجوریں لیں۔ اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو' اسلم نے کہا کہ میں لئے چلتا ہوں' فرمایا ہاں! لیکن قیامت کے روز میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے غرض سب چیزیں خود اٹھا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں اس نے آٹا گوندھا' ہانڈی چڑھائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا' خدا تم کو جزائے خیر دے سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے کہ ایک بدو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جا کر بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعتہً خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کون روتا ہے؟ اس نے کہا کہ میری بیوی درد زہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پر آئے اور ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

ناچار انھیں کو ساتھ لیا بدو سے اجازت لے کر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا کہ امیر المومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے۔ امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا۔ اور مؤدب ہو بیٹھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نہیں کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آنا میں اس بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔

عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو میرے مکان پر آئے میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی۔ مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ فرمایا کہ ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اترا ہے لوگ تھکے ماندے ہوں گے آؤ ہم تم چل کر پہرہ دیں۔ چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا، ان کی عجیب حالت ہوئی، جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ ”اے خدا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا“۔ اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فکر و تردد رہتا تھا اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اگر قحط رفع نہ ہوتا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔ قحط کا جو انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بدو ان کے پاس آیا، اور یہ اشعار پڑھے

یا عمر الخیر جزیت الجنۃ اکس   بناتی وامہنہ اقسم باللہ لتفعلنہ

”اے عمر! الطف اگر ہے تو جنت کا ہے میری لڑکیوں کو کپڑے پہنا
خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہوگا“۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر میں تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہوگا؟ بدو نے کہا۔

تکون عن حالی لتسئلنہ والواقف المسئول   بینہنہ اما الی نار واما جنۃ

”تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا اور تو ہکا بکا رہ جائے
گا پھر دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا“۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر روئے کہ داڑھی تر ہو گئی، پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتا اس کو دے دے۔ اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔

(سیرۃ العمرین، ازالۃ الخفاء)

---

[1] یہ تمام واقعات کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ میں متعدد حوالوں سے منقول ہیں۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بالاخانے پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی۔

تطاول هذا الليل وازور جانبه — وليس الى جنبي خليل ألاعبه

"رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے پہلو میں یار نہیں
جس سے خوش فعلی کروں"۔

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا۔ اور وہ اس کے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت قلق ہوا اور کہا کہ میں نے زنان عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ چار مہینے۔ صبح ہوتے ہی ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعید بن یربوع ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے انہوں نے کہا کہ میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھ کو راستہ بتائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی مقرر کیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ (اسد الغابہ تذکرہ سعید بن یربوع)

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ایک شخص کو دیکھا بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ پاس جا کر کہا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی اس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہو گا سر کون دھوتا ہو گا؟ کپڑے کون پہناتا ہو گا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا۔ اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب "در حقیقت نبوت کا ایک شعبہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت سے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "واز میان امت جمعے ہستند کہ جوہر نفس ایشاں قریب بجوہر انبیاء مخلوق شدہ وایں جماعہ در اصل فطرت خلفائے انبیاء اند در امت۔ (ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ ۲)

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد اس کی صفات کمال کا اعتراف سزا و جزا کا یقین' زہد عبادت کا حسن اخلاق کی یہ چیزیں تمام مذاہب کے اصل الاصول اور احکام ہیں۔ اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں۔ لیکن ان کے مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ کیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے۔ تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہو گئیں اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کے لئے آیا اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی۔ لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں اس لئے ہر زمانے میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لئے آئمہ اور مجتہدین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس قدر زور و شور سے مٹایا۔ لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور مزاروں کے ساتھ عوام کی ایک طرف خواص کا جو طرز عمل اس میں اب بھی کس قدر شرک کا خفی اثر موجود ہے گو استفادہ عن القبور اور حصول برکت کے خوشنما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت و دلیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔ اس کی نظیر صحابہ کے زمانے میں بہت کم ملتی ہے۔

مسئلہ قضا و قدر

الٰہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے جس میں عموماً بڑے بڑے آئمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں۔ یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں سے بھی بعض کو اشتباہ ہوا۔ طاعون عمواس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے قضائے الٰہی سے ہوتا ہے نہایت غصہ میں آ کر کہا کہ افرارا من قدر اللہ یعنی قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا۔ (یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے)

نعم نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ

یعنی ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں"۔

اسلام کا اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے، اسی بناء پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا۔

ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا۔

انی اعلم انک حجر وانک لا تضر ولا تنفع

"میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان"۔

تعظیم شعائر اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل مذاق عام سے جس قدر الگ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ٹوکا۔ اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دے گا۔ لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ ناقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی۔ اس بناء پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا۔ اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوا دیا[1]۔ ایک دفعہ سفر حج سے واپس آ رہے تھے، راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ اس خیال سے لوگ اس طرف دوڑے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب انہی باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انہوں نے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ (ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ)

نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں

---

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں بیعت رضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو باسناد صحیح روایت کیا ہے۔

بھی یہ مسئلہ طے نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور دائمی نہیں ہوتے اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف اور واضح کردیا کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص جزیہ کی تعیین ام الولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان کے مسائل میں جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نکتہ نظر انداز کیا ہے کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے اسلئے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔ شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل نہیں، دوسرا یہ کہ ان کے تمام احکام اصول عقلی پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے، یہ علم اگرچہ اب مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) خاص اسی فن میں ہے۔ تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے۔ جس کی وجہ کچھ یہ تھی کہ یہ مستقل فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا اور کچھ یہ کہ مذہبی محبت اور سادگی کی بظاہر شان یہی ہے کہ ہدایات مذہبی چوں و چرا کے مانی جائیں اور ان میں عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ

---

[1] یہ مسئلہ کہ تمام احوال حضرت [illegible] آنحضرت [illegible] اس کی تعبیر فرمائی۔ [illegible]

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس علم سے بحث کی اور اس کے وجوہ ظاہر کئے۔ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹)

شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا، ان میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ١٣ برس کی تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت ١١ برس کا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کل ١٨ برس کی تھیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو یہ سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہوں گے۔ لیکن اولیت کا منصب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو حاصل ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں خود ارشاد ہے **لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا** لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔ (صحیح مسلم احادیث نماز سفر)

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت تین دوروں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے مکہ تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا (صحیح مسلم) اس کے بعد یہ فعل معمول بہ ہو گیا چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف کہا **ما لنا وللرمل انما کنا راءینا به المشرکین وقد اهلکهم الله** (صحیح بخاری باب الرمل) یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے رمل کے ترک کا ارادہ بھی

گرا دیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص تربیت یافتہ تھے ان سے سبب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں کہا غلط سمجھتے ہیں۔

(ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۶۵ حصہ دوم)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کیے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ یہ مصالح عقلی کے موافق ہیں اس سے بداہۃً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا وہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی۔ اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا **لاتمم مکارم الاخلاق** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے۔ ان کا خلوص انقطاع الی اللہ لذائذ دنیا سے اجتناب حفظ لسان 'حق پرستی' راست گوئی یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کر جاتے تھے اور ہر شخص جو ان کی صحبت میں رہتا تھا کم و بیش اسی قالب میں ڈھل جاتا تھا۔ مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائیں۔ مؤرخ مسعودی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اس جملے سے شروع کیے ہیں کہ ان میں جو اوصاف تھے وہ ان کے تمام افسروں اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے۔ پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور ان کے اوصاف لکھے ہیں۔

فخر و غرور کا استیصال

عرب میں جو اخلاق ذمیمہ جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر و غرور عام لوگوں

کی تحقیر، ہجو و بدگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور مے پرستی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غرور کی علامت تھیں بالکل مٹا دیں۔ لڑائیوں میں جو قبائل اپنے قبیلوں کی جے پکارتے تھے اس کو قطعاً بند کر دیا۔ آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اٹھا دی۔ ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ ان کی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا تو نہایت برافروختہ ہو کر کہا کہ "خدا ان سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں"۔

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بڑے رتبے کے صحابی تھے ملنے گئے جب وہ مجلس سے اٹھے تو ادب اور تعظیم کے لئے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلے اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر آ نکلے، یہ حالت دیکھ کر ابی کے ایک کوڑا لگایا۔ ان کو تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا "او ما ترى فتنة للمتبوع مذلة للتابع" (اسد الغابہ ترجمہ زبرقان) "کیا تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔"

ہجو کی ممانعت

ہجو و بدگوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعراء بھلے لوگوں کی ہجو کہتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا۔ اس لئے یہ ہجویں نہایت جلد مشتہر ہو جاتی تھیں اور ان سے سینکڑوں مفاسد پیدا ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا۔ اور اس کے لئے سزا مقرر کی۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ حطیہ اس زمانے کا مشہور شاعر تھا۔ اور سودا کی طرح فن ہجو میں کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو طلب کر کے ایک تہ خانے میں قید کیا۔ اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی ہجو نہیں لکھے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قریش نے جب ہتھیاروں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویں کہنی شروع کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کی اجازت دی تھی۔ یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دیا کہ وہ اب نہ پڑھے جائیں کیونکہ ان سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔ (اغانی تذکرہ حسان بن ثابت)

ہوا پرستی کی روک

عشق و ہوس پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعر و شاعری تھا۔ شعراء زیادہ تر رندانہ اور اوباشانہ اشعار لکھتے تھے اور ان میں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس کی وجہ سے رندی و آوارگی ان کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی۔

شاعری کی اصلاح

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں۔ چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے **تقدم عمر بن الخطاب الی الشعراء ان لا یشبب احد بامراۃ الا جلدہ**۔

شراب خوری

شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا۔ یعنی پہلے ۴۰ درے مارے جاتے تھے انہوں نے ۸۰ درے کر دیئے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے لئے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے۔ تاہم لوگ عیش و عشرت میں مبتلا نہ ہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔

آزادی اور حق گوئی قائم رکھنا

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور خلفا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے۔ یہاں تک کہ عبد الملک نے قطعی حکم دے دیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے۔ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا۔ لیکن وہ اس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جس کی بدولت حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی نوبت پہنچی اور جناب امیرؓ کو جمل و صفین کے معرکے جھیلنے پڑے۔ برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت اعلیٰ درجہ کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جبروت میں ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تحریر و تقریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مذکم تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا۔

"یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام کب سے بنا لیا۔ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔"

عرب میں جو لوگ معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلے کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور ان سے کم رتبہ کے لوگ ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے **جعلنی اللّٰہ فداءک بابی وامی** یعنی خدا مجھ کو آپ پر قربان کر دے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی۔ مختلف موقعوں پر ان کی نسبت ناراضگی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان میں کہا تھا کہ **جعلنی اللّٰہ فداءک** تو فرمایا کہ **اذا یھینک اللّٰہ** یعنی اگر خدا ایسا کرے گا تو تجھ کو ذلیل کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جس قدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا۔ صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ "تمہارا سر اڑا دیں گے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ "کیا میری شان میں تو یہ الفاظ کہتا ہے؟" اس نے کہا کہ ہاں ہاں تمہاری شان میں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "الحمدللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔"

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا شرعی حکم ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے۔ حذیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضروری نہیں۔ چنانچہ باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام عمال کا مال و اسباب نیلام کر کے آدھا مال بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابوبکرہ تھا صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہیے تھا اور ہمارا تھا تو اس سے کم کرنے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم اور ان کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، نیک خوئی، صبر و تواضع، جرأت، صدق، آزادی، حق پرستی و بے نیازی کی تصویر بن گیا۔ تاریخ کے مرقع میں اس وقت کی مجالس اور مجامع کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے چہرے میں یہ خط و خال صاف نظر آتے ہیں۔

اجتہاد کی حیثیت محدث و فقیہ ہونا، اجتہاد کے منصب حدیث و فقہ

حدیث و فقہ کا فن درحقیقت تمام تر ان کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہؓ میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ ان کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے۔ لیکن فن کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انہوں نے قائم کئے

احادیث کا تفحص

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں زیادہ صورتیں پیش آئیں اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور قوموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے

موافق طے کئے جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اسی قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

حدیث کی اشاعت

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشتہر کی جائے اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے۔ اس لئے اس کی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

(۱) احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام سے متعلق ہوتی تھیں۔

(۲) صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "چنانچہ فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد، و معقل بن یسار و عبد اللہ بن معقل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو دردا را بشام و بمعاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکند۔" (ازالۃ الخفاء صفحہ ۶ حصہ دوم)

ایک دقیق نکتہ

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کی اشاعت میں بہت جو اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ کل جو مرفوع احادیث...... جو ان سے بسند صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں۔ یہ خیال بظاہر صحیح ہے۔ لیکن واقع میں یہاں ایک غلطی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہو گا کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے" تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں لامحالہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق احکام صادر فرمائے تھے' زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لئے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کیا ہو بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا۔ لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبوں میں' تحریری ہدایتوں میں' فرامین میں' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' وغیرہ کے متعلق جو اصول مسائل بیان کئے وہ در حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں گو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں بالجملہ آنکہ مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرمایند تا اصل احادیث باں موقوف خلیفہ ثبت یابد آنکہ بطور تحقیق غیر مسند و مسند اند اکثر در متفق علیہ از حضرت صدیق صحیح شد مگر شش حدیث و از فاروق اعظم بہ صحت رسید مگر قریب ہفتاد حدیث ایں را نکتہ نمی دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت داد و اعلان نمود۔

احادیث میں فرق مراتب

حدیث کے تفحص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ خود مستقل بالشان کام تھے۔ لیکن اس باب میں ان کی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو دقتی کے ساتھ مخصوص ہے۔ احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اہتمام کس قسم کی حدیثیں ہیں؟

کیونکہ محمد رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لئے گنجینہ مراد ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادت یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتناء نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ "باستقراء تمام معلوم شد کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفریق می کرد تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد از غیر آں مصروف می ساخت۔ لہذا احادیث شمائل آنحضرت صلعم و احادیث سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد بدو وجہ یکے آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست۔ دوم از سنن زوائد بہ سنن ہدیٰ مشتبہ گردد۔" (ازالۃ الخفاء مقصد دوم صفحہ ۱۴۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوص کے ساتھ دعائیں منقول تھیں، حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا دفتر اسی قسم کی حدیثوں کا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو جانتے تھے کہ دعاء کے قبول و عدم قبول کا مدار خلوص و تضرع پر ہے نہ الفاظ پر۔ (ایضاً)

سب سے بڑا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

روایت کی چھان بین

آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے گو صحیح نہ ہو اس کو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر مولویوں کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے البتہ کیا کہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک سے تمیز کو روک دیا۔ لیکن جب کسی راوی کی تعدیل ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر ان کو زیادہ پرکھ نہیں ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ قرون اول کی نسبت انہوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہے

سکتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام دقیق احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کئے

ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے طور پر کہا کہ "السلام علیکم ابو موسیٰ حاضر ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہو سکے کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی۔ چنانچہ ابو سعید نے آکر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے حضرت ابی ابن کعب نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور تصدیق کرنی چاہی۔ فقہ کا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو عدت کے زمانے تک نان و نفقہ ملتا ہے یا نہیں؟

قرآن مجید میں ہے کہ **اسکنوھن من حیث سکنتم** جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملتا ہے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے۔ فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائن دی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان نفقہ کا حق ہے یا نہیں۔ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ فاطمہ نے یہ روایت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ **لانترک کتاب اللہ بقول امراۃ لاندری لعلها حفظت او نسیت** یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے معلوم نہیں اس کو حدیث یاد رہی یا نہیں۔

نفقہ کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۱۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طریق سے صحیح مسلم باب الاستیذان میں مذکور ہے

سے مشورہ کیا۔ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کہ مجھ کو تمہاری طرف سے بدگمانی نہ تھی۔ لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔ (یہ دونوں روایتیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں مذکور ہیں)

کثرت روایت سے روکنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ اس لئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی۔ جس کے متعلق انہوں نے جو بندشیں کیں آج کل لوگوں کو ان پر مشکل سے یقین آسکتا ہے اس لئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا۔ بلکہ بڑے بڑے محدثین نے جو لکھا ہے اس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کر دوں گا۔ علامہ ذہبی نے جن سے بڑھ کر ان کے بعد کوئی محدث نہیں گذرا اور جو حافظ ابن حجر سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

> وقد كان عمر من وجله ان يخطئ الصاحب على رسول اللهﷺ يا مرهم
> مرهم ان يقلوا الرواية عن نبيهم ولئلا يتشاغل بالاحاديث عن
> حفظ القرآن عن قرظة بن كعب قال لما سيرنا عمر الى العراق۔
> مشى معنا عمر وقال اتدرون لما شيعتكم قالوا نعم مكرمة
> لنا قال ومع ذالك انكم تاتون اهل قرية لهم دوي بالقرآن
> كدوي النحل فلا تصدوهم بالاحاديث فتشغلوهم جردوا
> القرآن واقلوا الرواية عن رسول اللهﷺ وانا شريككم فلما قدم
> قرظة قالوا حدثنا فقال نهانا عمر عن ابي سلمة عن ابي هريرة
> قلت له كنت تحدث في زمان عمر هكذا فقال لو كنت احدث في
> زمان عمر مثل ما احدثكم لضربني بمخفقته ان عمر حبس

ثلثة ابن مسعود وابا الدرداء وابا مسعود الانصاری فقال له اکثرتم الحدیث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرت سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں قرظہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آیا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو فرمایا کہ ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھیوں کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے تو ان کو حدیثوں میں نہ پھنسانا قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں پس جب قرظہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے انہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو منع کیا ہے ابو سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو درے سے مارتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محبوس کیا اور کہا کہ تم نے آنحضرت سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں۔

مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے اس سے فرائض اور سنن مقصود نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں میرے نزدیک آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں۔ یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کامل اہتمام نہیں کیا گیا۔ ا ھ

(ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۴۱ حصہ دوم)

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد خود انہی کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔

لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم بہ۔

"یعنی اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کمی بیشی ہو جائے گی تو میں حدیث بیان کرتا"۔

مورخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے۔ اور رواۃ یہ ہیں۔ محمد بن سعد، عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمانی، نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) موسیٰ بن طلحہ، ابو الحوتکیہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو معاملات علمی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ خاص تھے ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے کہ۔

یشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التہاون فی ضبط الالفاظ۔

(تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عبد اللہ بن مسعود)

"یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں"۔

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی اگرچہ ان سے پہلے بھی اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکر تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۵۰۰ حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعے سے روایت

کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط میں فرق تھا اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہ نے اسی بناء پر حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں۔ لیکن وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں۔ ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن وہ اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا ہے کہ "ہر چند جمع صحابہ عدول اند و روایت ہمہ مقبول' عمل بموجب آنچہ بروایت صدوق از ایشاں ثابت شود' لازم' تا درمیان آنچہ از حدیث و فقہ در زمن فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بود' آنچہ بعد وے حدث شد فرق مابین السموات والارض است"۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۴۱)

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کے متعلق احتیاط و تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پا سکا۔ لیکن محققین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہ خیال بے اثر نہ رہا۔ عبد اللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرت ہے اور مسند دارمی وغیرہ میں جابجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب یا اس کی مثل ابو درداء اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے صحابی تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سال بھر رہا اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی۔ ثابت بن قطبہ الانصاری کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہینہ بھر میں دو تین حدیث روایت کرتے تھے۔ سائب بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا' لیکن انہوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح دارمی میں بسند متصل منقول ہیں۔

(مسند دارمی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور صفحہ ۲۵ تا ۲۸)

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقدم اصول قائم کیے ان کو اجمالاً بیان کیا جاتا ہے۔

① روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔

② خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

③ محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے لئے کافی نہیں۔

④ خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔

⑤ روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیت کا لحاظ شرط ہے۔

علم فقہ

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے۔ حذیفہ نے کہا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلے میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم دوسرے پلے میں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پلہ بھاری رہے گا[1]۔ علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے

> **ولولا خوف الاطالة لذكرت من فقهه ما يتحير فيه كل فاضل۔**
>
> "یعنی اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں اس قدر لکھتا ہے کہ فضلا حیران رہ جاتے"۔

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ

---

[1] استیعاب قاضی بن عبدالبر [illegible]

آگے چل کر لکھیں گے لیکن یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات ہے۔ ممالک اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں وہ یہ ہیں مکہ معظمہ ' مدینہ منورہ ' بصرہ ' کوفہ ' شام ' اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انہی مقامات کے رہنے والے تھے مثلاً مکہ معظمہ کے شیخ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ مدینہ منورہ کے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' کوفہ کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' وابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' شام کے ابو درداء و معاذ بن جبل ' ان میں (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے ' اور خاص کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔

(استیعاب قاضی ابن عبدالبر و ازالۃ الخفاء صفحہ ۳۲۳ حصہ اول)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گویا اپنے دامن تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے ' اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ "آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں۔ اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔"

محدث ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کان عمر یحب ابن عباس و یقربہ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے ' اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا۔ عبداللہ بن عباس اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ' کوئی شخص اگر عبداللہ بن عباس کے مجتہدات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہی تھے

زید بن ثابت برسوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔ (فتح المغیث صفحہ ۳۴۸)

صحابہ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا دارومدار تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے۔ **ستة من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يتذاكرون الفقه بينهم علي ابن ابي طالب و ابي و ابو موسى على حدة و عمر و زيد و ابن مسعود على حدة** یعنی اصحاب رسول اللہ میں چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہیہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ساتھ۔ صفوان ابن سلیم کا قول ہے۔ **لم يكن يفتي في زمن النبي صلى الله عليه وسلم غير عمر و علي و معاذ و ابي موسى** (تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابی موسیٰ اشعری)۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف چار شخص فتویٰ دیتے تھے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ، ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ امام شعبی کا مقولہ ہے۔ **كان العلم يؤخذ عن ستة من الصحابة** (فتح المغیث صفحہ ۳۴۸) یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

اگرچہ یہ تحدید بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۴ یا ۶ مفتیوں کی تعداد خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، صاف اور صریح موجود ہے اور کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں، ان مسائل کے لئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت حدیث میں کوئی حکم بتصریح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعے سے حکم مستخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے۔ لیکن اور حدیثیں اس کی معارض ہیں۔

ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے اور مفتی کہلاتے تھے۔ چنانچہ ان کی تعداد ۱۰۰ تک پہنچتی ہے۔ لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن کا اوپر ذکر گذرا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس کا نام لے کر لکھتے ہیں۔

> **واما غیر ھؤلاء الاربعۃ فکانوا یروون دلالۃ ولکن ما کانوا یمیزون الرکن والشروط من الآداب والسنن ولم یکن لھم قول عند تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الا قلیلاً کابن عمر و عائشۃ وزید بن ثابت۔** (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ [illegible])
>
> "یعنی ان چاروں کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن آداب و سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق نہیں کر سکتے تھے۔ اور جہاں حدیثیں متعارض ہوتی تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ بجز بعض موقعوں کے دخل نہیں دیتے تھے مثلاً ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت"۔

بہرحال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کے سوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم روایت کے لئے شام بھیجا تھا۔ لیکن ان کا سنہ ۱۸ ہجری میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "حدیث او چنداں باقی نماند" (ازالۃ الخفاء صفحہ [illegible] حصہ دوم) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر تحریر کے ذریعے سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

مقلد تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ زید بن ثابت تبع بود در اکثر تبع اوست۔ ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ میں جن جن لوگوں کی فقہ کو رواج ہوا وہ سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسائل فقہیہ میں جس قدر غور اور خوض کیا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو مطمح نظر بنا لیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں ان میں جب ابہام ہوتا تھا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بحث کیا کرتے تھے۔ یہ بات اور اصحاب کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کے برابر کوئی شخص رسول خدا کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آ گئے اور فرمایا کہ سورۂ نساء کی آخیر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے

(مسند امام احمد بن حنبل)

مشکل مسائل قلمبند کرنا

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے وقتاً فوقتاً ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلمبند اور زیادہ غور و فکر کرتے اس میں کمی و بیشی کیا کرتے پھوپھی کی میراث کی نسبت یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا اس کا بیان امام محمد نے مؤطا میں لکھا ہے (مؤطا امام محمد صفحہ ۳۲۹)۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں مستند حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو مختلف رائے قائم کیں۔

دقیق مسائل میں وقتاً فوقتاً غور کرتے رہنا

بعض مسائل کے متعلق ان کو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے۔ مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اس کو منگوا کر مٹا دیا۔ اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔ اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کے متعلق رائے قائم کی تھی۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو

قبول کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ کی رائے ہم قبول کرلیں تب بھی بہتر ہے۔ لیکن ابوبکر کی رائے، نہیں تو وہ بڑے صاحب الرائے تھے آخر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر لکھ کر فرما جاتے۔ کلالہ، دادا کی میراث، ربوا کی بعض اقسام مسائل فقہیہ کے متعلق ان کو جو کد و کاوش رہتی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔

ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون ورثہ داخل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند بار دریافت کیا، اس پر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کرکے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا و ما فیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت "کلالہ" ربوا۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین ابن کثیر نے صحیح سندوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا

چونکہ ان کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ اس لئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے تاہم بہت سے مسائل میں یہ لوگ عاجز آتے اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اسی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے ان کے پاس جواب کے لئے آتے تھے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتووں کے ساتھ فتویٰ پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں۔

لوگوں کا حضرت عمرؓ سے استفسار کرنا

مثلاً عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جراح۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے ان کی رائے بھی فتوے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ تاہم احتیاط کے لئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں' علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصلہ نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

> **كان من سيرة عمرؓ انه كان يشاور الصحابة ويناظرهم حتى تنكشف الغمة ويأتيه الثلج فصار غالب قضاياه وفتاواه متبعة في مشارق الارض ومغاربها۔**
>
> "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آ جاتا تھا' اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتووں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی"۔

مسائل اجماعیہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن مسائل کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا ان کی تعداد کچھ کم نہیں' اور کتب احادیث و آثار میں ان کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً بیہقی نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں [بیہقی نے اس کی تصریح کی ہے] صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کئے جائیں۔ چنانچہ منعقد مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخالف رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جب آپ لوگ

اصحاب بدر ہو کر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہو گا؟ غرض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فیصلے پر معاملہ انحصار رکھا گیا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو نافذ جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازے کی تکبیر کی نسبت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس منعقد کی' جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اس میں چار تکبیریں تھیں' اسی طرح بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسائل فقیہ کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بروایت صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "وہم چنیں مجتہدین در رؤس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اند وایں قریب بہزار مسئلہ باشد تخمیناً" (ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۸۴) یہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں منقول ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انکی مدد سے فقہ فاروقی پر مستقل رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفاء میں شامل کر دیا ہے

اصول فقہ

یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے انہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیئے جس کو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیتہً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں۔ یا ان میں کوئی تفریق ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افعال و اقوال مروی ہیں ان کی دو

قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی نسبت خدا کا حکم ہے کہ **ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔** یعنی پیغمبر تم کو جو دے وہ لو اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو۔ دوسری وہ جن کو منصب رسالت سے تعلق نہیں۔ چنانچہ اسکے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

> **انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیء من رایی فانما انا بشر۔**
>
> یعنی میں بھی آدمی ہوں، اس لئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم کروں تو اس کو لو۔ اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا، جو افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عادۃً صادر ہوئے نہ عبادۃً یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً یا جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزعومات عرب کے موافق اختیار کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث، جو باتیں کسی جزئی مصلحت کی موافق اختیار کیں۔ مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے بہت سے احکام، یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۳)

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا، اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ کتب سیرت اور احادیث میں تم نے پڑھا ہوگا۔ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔

قیدیان بدر کے معاملے میں ان کی رائے بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود اس امر کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ

ماننا تو کیا، تمام ان کو اسلام کے دائرہ سے بھی باہر سمجھتا۔ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں اپنی رایوں پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کوڑے مقرر کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے اور خدانخواستہ رد کرنا چاہتے۔ تو صحابہ کا گروہ ایک لمحہ کے لئے بھی مسند خلافت پر بیٹھنا ان کا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امتیاز مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد احکام تھے جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود وحی الٰہی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز جنازہ منافق، ان تمام معاملات میں وحی جو اتری۔ اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ ان معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ برخلاف اس کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں تک کد ہے کہ ترتیب فوج، تعیین شعار، تخمیس محاصل وغیرہ کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

خبر آحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر آحاد (یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو)[1] کی حیثیت احتجاج کا تھا۔ بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے۔ یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر آحاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعے سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خبر آحاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر اذن ملاقات، استئذان، جنین، خریداری عباس بن عبدالمطلب، تیمم جنابت کے مسئلوں میں انہوں نے عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مغیرہ بن شعبہ، ابی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابل حجت نہیں قرار دیا جب تک اور تائیدی شہادتیں نہیں گزریں، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بناء پر خبر آحاد سے قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ حکم قرآن مجید کی نص کے خلاف تھا۔ فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے واقعات میں اخبار آحاد کو قبول کیا ہے لیکن امام صاحب نے یہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر آحاد قابل احتجاج نہیں نہ یہ کہ کوئی خبر آحاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے لیکن بعض اوقات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں کہ جن کی نسبت ایک دو اشخاص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انہوں نے الفاظ روایت یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ قرار نہیں پا سکتا۔

---

[1] اصطلاح حدیث کی بنا پر جس حدیث کے راوی ایک، دو یا تین ہوں لیکن شہرت یا تواتر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر آحاد میں داخل ہے لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک ایک ہی راوی ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار آحاد سے استدلال کیا۔ لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار آحاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے اخبار آحاد کے متعلق فقہاء و محدثین میں سخت اختلاف آراء ہے اور بڑی بڑی طول طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں۔ لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ لیکن اس موقع پر یہ تنبیہہ کر دینی ضروری ہے کہ اخبار آحاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اصول تھا اس کی بناء صرف تحقیق حق تھی اس زمانے کے آزاد خیال کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا۔ اور جس کو چاہا غلط کر دیا۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

قیاس

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام چیزیں مذکور نہیں ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے۔ اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں۔ اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے۔ لیکن قیاس کی بنیاد جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو کیا کرو گے انہوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دوں گا۔ اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوئی تو اجتہاد کروں گا۔

(یہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۳۴ میں مذکور ہے)

لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ ان کی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں۔ ابن حزم، داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ مسند دارمی میں بہ سند مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ در پیش آتا تو قرآن مجید کی

طرف رجوع کرتے قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے۔ حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور ان کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید۔ حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

[سنن دارمی صفحہ ۳۳]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کو قضاء کے متعلق جو تحریر بھیجی' اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی ہے چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلك۔

(یہ روایت دار قطنی میں مذکور ہے۔ دیکھو ازالۃ الخفاء صفحہ ۸۶)

"جو چیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب کرو۔ اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو"۔

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے

تعدية الحكم من الاصل الى الفرع بعلة متحدة۔

اس کے حکم کو فروع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیہوں، جو وغیرہ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو برابر بیچو برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو چند خاص اشیاء کے نام لئے۔ لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چونا دے اور اس سے اسی قسم کا چونا سوا سیر لے یا عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائے گا۔

اصولیین کے نزدیک قیاس کے لئے مقدم دو شرطیں ہیں۔

① جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو۔ یعنی اس کے بارہ میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو۔

② مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے۔

پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ **مما لم یبلغک فی الکتاب**

دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے **واعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور**

ان ہدایات اصول کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں لیکن ان کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے۔

استنباط احکام کے اصول

یہ امر مسلم ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے کو نہیں۔ لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو بہ تفصیل لکھا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان ائمہ نے صراحۃً وہ اصول بیان کئے تھے۔ امام شافعی نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کئے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحۃً منقول نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریریں کیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بنا پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے **واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا** استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہ کرنا چاہئے۔ کسی نے ان سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اتری تھی۔ انھوں نے کہا کہ آیت کسی بارے میں اتری ہو لیکن حکم عام ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے۔ **العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب** یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں وہ اسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کئے گئے ہیں ورنہ ان بزرگوں سے صراحۃً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انھوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کئے اسی بنا پر ہے کہ اکثر مسائل جو انھوں نے طے کئے صحابہ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد طے کئے گئے، ان موقعوں پر انھوں نے جو تقریریں کیں ان کے استقصاء

سے بہت سے اصول قائم ہوئے ہیں اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اس لئے ان کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ دونوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے کس کو ناسخ ٹھہرایا جائے کس کو منسوخ، کس کو عام ٹھہرایا جائے، کس کو خاص، کس کو موقت مانا جائے، کس کو مؤبد، اس طرح نسخ، تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہو گئے عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی ان کی تقریر سے اکثر اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ۶۰ درہم تھی۔ فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری چیز چرائی۔ اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا (موطا امام مالک)۔

اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ سارق کو مال مسروقہ میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرا لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بھی اسی بناء پر چھوڑ دیا تھا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اترے، عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو روک دیا کہ "نہ بتانا" اس سے دو اصول ثابت ہوئے ایک یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے دوسرے یہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلف نہیں ہیں۔ ایک دفعہ رمضان میں بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزہ کھول لیا تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا **الخطب یسیر وقد اجتھدنا** یعنی معاملہ چنداں اہم نہیں ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے (موطا امام محمد صفحہ ۱۹۳)

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں کوئی شخص چاہے تو ان سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا اور ائمہ مجتہدین نے ان کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن

بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں مثلاً تیمم جنابت، متعہ، تمتع، حج، مطلقات ثلاث وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد سے دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل میں اور خصوصاً ان مسائل میں جو معرکۃ الآراء رہے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے عموماً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر پر مبنی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

خمس کا مسئلہ

ایک بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ خمس کا ہے قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل۔

"جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے ہے اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور غریبوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔"

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس کی یہی رائے تھی اور حضرت علی نے اگرچہ مصلحتاً بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا لیکن رائے ان کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم اس کے حقدار ہیں۔

(کتاب الخراج صفحہ ۱۱ بن اسحاق)

یہ صرف حضرت علی و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلے کے قائل تھے اور انہوں نے اپنی تصنیفات میں نہایت زور شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے ان کی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا اسی

طرح آنحضرت کے قرابتداروں کا حصہ بھی جاتا رہا۔

اب ہم کو غور کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل کیا تھا۔ قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں وہاں بھی بعینہٖ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔

انما الصدقٰت للفقرآء والمسٰکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔

اس میں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں۔ فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے، مؤلفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مجاہدین، مسافر۔ ان میں سے جس کو زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائے گی۔ یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھ گروہ پیدا کئے جائیں۔ آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائے گا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے۔ کون کم اور کون بالکل نہیں۔ یہ التزام مالا یلزم صرف امام شافعی نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائیں۔ اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت کم و بیش تقسیم کیا جائے اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے ہیں اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس ان لوگوں کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے پانچ برابر حصے کئے جائیں۔ اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

(۱) ذوی القربیٰ میں سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نوفل و بنی عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے۔ لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں کتب صحاح سے بتفصیل نقل کیا ہے۔ (زاد المعاد جلد دوم صفحہ ۱۶۸)

(۲) بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

ولکن لم یکن یقسمہ بینہم علی السواء اغنیاءہم وفقراءہم
ولا کان یقسمہ قسمۃ المیراث بل کان یصرفہ فیہم بحسب

> **المصلحة والحاجة فيزوج منه عزبهم ويقضي منه عن غارمهم ويعطي منه فقيرهم كفايته** (زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۱۳)
>
> "لیکن دولت مندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے یعنی کنواری کی شادی کرتے تھے مقروضوں کا قرض ادا فرماتے تھے، غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے"۔

ان واقعات سے اولاً یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ میں تعمیم نہیں ہے ورنہ بنو نوفل اور بنو عبدالشمس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے۔ دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت کیا ہے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا۔ صرف دو باتوں میں ان سے مخالف تھے ایک یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اس کے عبداللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں نسائی نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباس کا قول نقل کیا ہے۔

> **عرض علينا عمر بن الخطاب ان نزوج من الخمس ايمنا ونقضي منه عن مغرمنا فابينا الا ان يسلمه لنا وابى ذلك علينا۔** (کتاب الخراج صفحہ ۱۱)
>
> "عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم بجز اس کے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ دے دیا جائے عمر نے اس کو منظور نہ کیا"۔

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں صرف کلبی کی ایک روایت - ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوی القربیٰ کا حق ساقط کر دیا۔ لیکن نہایت ضعیف الروایۃ ہے اس لئے اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے قول اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعیؒ وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے' قرآن مجید سے یہ تعین و تحدید بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو یعنی خمس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے معاش کی تدبیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ ملک کی کمائی میں سے کوئی حصہ آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے اس وقت مال غنیمت فے انفال بس یہی آمدنیاں تھیں۔ چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے۔ اس کی مثال ویسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لئے خالصہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ذوی القربیٰ کا حق اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القربیٰ کے لئے جو کچھ مقرر تھا وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابت داروں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا۔ اور گو ان کی نسل میں کس قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنے ہی دولت مند اور غنی جائیں تاہم ان کو یہ رقم ہمیشہ ملتی رہے گی۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت یہ قاعدہ بنائے گا کہ اس کی تمام اولاد کے لئے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے۔ اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اس میں اور خود غرض بادشاہوں میں کیا فرق ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خمس کے مدعی تھے ان کا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لئے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے انہی کی نسبت ان کو ایسا دعویٰ ہو گا۔

فے کا مسئلہ

ایک اور عظیم الشان مسئلہ فئی کا ہے یعنی وہ زمین یا جائیداد جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر معرکۃ الآراء ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

یہ خاص بحث اس میں اس وجہ سے ہوئی کہ فے کے قریب المعنی اور بھی الفاظ تھے یعنی نفل، غنیمت، سلب ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا۔ تمام لڑنے والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا سردار کو البتہ سب سے زیادہ چوتھا ملتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابتدا میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں، یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا۔ چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ کے عہد میں بھی قائم رہا۔ اس لئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اس کے پانے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر جھگڑا اٹھا جنگ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی ہے۔ تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے۔ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے۔ تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ تھے۔ اس لئے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول۔

“تجھ سے لوگ مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ وہ خدا
اور رسول کی ملک ہے”۔

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا حق ہے اور اقسر

تو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں تھا۔ اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کئے گئے پھر یہ آیت اتری۔

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل۔

"جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔"

اس آیت سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں، چار حصے مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں۔ اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں لیکن یہ تمام احکام نقد و اسباب سے متعلق تھے۔ زمین اور جائیداد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ بنی نضیر میں جو ۴ھ ہجری میں واقع ہوا۔ سورۂ حشر کی یہ آیت اتری۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اهل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل الی قولہ للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم الی قولہ والذین جاءوا من بعدهم

"یعنی جو زمین یا جائیداد ہاتھ آئے وہ خدا اور پیغمبر اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقرائے مہاجرین اور ان سب لوگوں کی ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں گے۔"

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائے گی بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہے گی اور اس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہوں گے۔ یہ ہے حقیقت نفل اور غنیمت اور فے کی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے۔ سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور فے کو ایک سمجھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہئے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ

ان کو تقسیم کر دیے جائیں۔ چنانچہ عبد الرحمن بن عوف، زبیرؓ بالخصوص بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ مانے۔ اس پر (جیسا کہ ہم صیغۂ محاصل میں لکھ آئے ہیں) بہت بڑا مجمع ہوا اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ **الذین جاؤوا من بعدھم** پڑھ کر فرمایا کہ

فکانت ھذہ عامۃ لمن جاء من بعدھم فقد صار ھذا الفیء بین ھؤلاء جمیعًا فکیف نقسمہ لھؤلاء وندع من یخلف بعدھم

(کتاب الخراج صفحہ ۱۴ اس مقدمہ کا پورا حال کتاب الخراج کے صفحہ ۲۵-۲۴ پر مذکور ہے)

"تو یہ تمام آئندہ آنے والوں کے لئے ہے اور اس بنا پر یہ تمام لوگوں کا حق ٹھہرے گا پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کر دوں۔ اور دوسروں کو محروم کر دوں جو آئندہ پیدا ہوں گے"۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی تو فتح ہوئے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں پھر بھی زمین تقسیم کی؟

فدک کا مسئلہ

اسی سلسلے میں باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکۃ الآرا رہا ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ باغ خالص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد تھی۔ کیونکہ اس پر چڑھائی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر۔

یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اس پر

اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔"

اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ خاص ٹھہری تو اس میں وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہوگا اور آنحضرت کے ورثاء اس کے مستحق ہوں گے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طلب و تقاضے کے ان کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاست مدن کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرے میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی یا امام یا بادشاہ کے قبضے میں جو مال یا جائیداد ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت و امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے یا عالمگیر قرآن لکھ کر بسر کرتا تھا۔ یہ آمدنی ان کی ذاتی آمدنی تھی۔ اور اس پر ہر طرح کا ان کو اختیار تھا۔ دوسری مملوکہ حکومت مثلاً داؤد علیہ السلام کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی جو شخص پیغمبری یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ آجکل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد ان کے ممالک مقبوضہ یا ان کی جاگیر خالصہ ان کے بیٹے بھائی ماں بہن وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی بلکہ جو تخت نشین ہوگا اس پر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقے میں یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا۔ شیعہ جو فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں اس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ ان کی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسین و عباس و محمد بن حنفیہ و زینب وغیرہ جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وارث تھے اس کا کچھ کچھ حصہ ان کو پہنچتا۔ بلکہ صرف حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب

سے حاصل ہوتی ہے' وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کی فتح سے پھرے' تو محیصہ بن مسعود انصاری کو فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا' فدک یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کا سردار یوشع بن نون ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آدھی زمین دینی منظور کی۔ اس وقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بناء پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعے فتح نہیں ہوا۔ بلکہ اس آیت کے مصداق ہے **فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب** لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعے سے قبضے میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا ان کو کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا خیال نہیں کیا تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مفتوحہ زمینیں حسب وقف عام رہیں' لیکن فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس پر لوگوں کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فدک کو بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی مصارف کے لئے خاص کر لیا تھا۔ لیکن کیونکر؟ اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں۔

فکان نصف فدک خالصاً لرسول اللہ وکان یصرف ما یأتیہ منھا الی ابناء السبیل۔ (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۹)

"یعنی آدھا فدک خاص رسول اللہ کا تھا آنحضرت اس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے"۔

ایک اور روایت میں ہے

ان فدک کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان ینفق منھا

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ذکر فدک

ویأکل منہ ویعود علی فقراء بنی ھاشم ویزوج ایمھم۔

(فتوح البلدان صفحہ ٣١)

"یعنی فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے اور ان کی بیواؤں کی شادی کرتے تھے"۔

بخاری وغیرہ میں یہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کا اپنا خرچ اس میں سے لیتے تھے باقی عام مسلمین کے مصالح میں دیتے تھے۔

ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا مملوکہ نبوت ہونا ایسا ہی تھا جیسا کہ سلاطین کے لئے کوئی جائیداد خاص کر دی جاتی ہے اس بناء پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے زائل نہیں ہوتی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان اصولوں سے واقف تھے؟ اور اسی بناء پر انہوں نے فدک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ نکات بعد الوقوع ہیں!

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے **ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ الخ** سے استدلال کر کے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ عام ہیں چنانچہ خراج کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے آیت یہ ہے

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء

"اور جو ان لوگوں سے (یعنی یہود بنی نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے"۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ **فکانت خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب

والمغازی اور باب المیراث میں تفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی بناء پر فدک وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ سمجھتے تھے لیکن اس قسم کا خالصہ ذاتی ملکیت نہیں ہوتا جس طرح سلاطین کے مصارف کے لئے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے۔ تنہا وہی اس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بناء پر فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی وغیرہ میں مذکور ہے۔

فكان رسول اللّٰه ينفق على اهله نفقة سنتهم من هذا المال ثم اخذ ما بقي فيجعله مجعل مال اللّٰه فعمل رسول اللّٰه بذلك حياته ثم توفى اللّٰه نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال ابو بكر انا ولي رسول اللّٰه فقبضها ابو بكر فعمل فيها بما عمل رسول اللّٰه ثم توفى اللّٰه ابابكر فكنت انا ولي ابي بكر فقبضتها سنتين من امارتي اعمل فيها ما عمل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عنه وسلم وبما عمل فيها ابو بكر۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے باقی کو خدا کے مال کے طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اسی پر عمل فرمایا پھر وفات پائی تو ابوبکر نے کہا کہ میں ان کا جانشین ہوں۔ انہوں نے اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح کارروائی کی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے پھر انہوں نے وفات پائی تو میں ابوبکر کا جانشین ہوا میں نے اس پر دو برس قبضہ رکھا اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کرتے تھے"۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرت کی ذاتی جائیداد نہیں سمجھتے تھے (جس میں وراثت جاری ہو) اور اس وجہ سے اس کے قبضہ کا مستحق صرف اس کو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا

جانشین ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور خود اپنے قبضہ کی یہی وجہ بتائی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تقریر اس وقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے پاس فدک کے دعویدار ہو کر آئے تھے اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا۔

اصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک فدک وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے **فهذه عامة فی القریٰ کلها** یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا [illegible] ہی تمام غلط فہمی کا منشا تھا چنانچہ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں

فهو ملک یخالف حکم غیره من المالکین وهذا النوع من الاموال هو القسم الفئ ولم یحصل فیه من التنازع ما وقع الی الیوم ولولا اشکال امره علیهم لما طلبت فاطمة بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم میراثها من ترکته وظنت انه یورث عنه ما کان مالکاله کسائر المالکین وخفی علیها رضی اللّٰه عنها حقیقة الملک الذی لیس مما یورث عنه (زاد المعاد صفحہ [illegible] جلد دوم)

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو ابتداء سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں۔ اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف قرآن و حدیث کا صحیح محل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات اور اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تقاضائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے۔ ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت تقریر، شاعری، نسابی، سپہ گری، بہادری، آزادی مقدم چیزیں تھیں اور ریاست و افسری میں ان ہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدرت نے ان سب میں سے کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خداداد تھا اور عکاظ کے معرکوں نے اس کو اور زیادہ جلا دے دی تھی۔ یہی قابلیت تھی جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے ان کے معمولی جملوں میں ادیبی کا اثر اور برمحل فقرے جو ان کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی روح پائی جاتی تھی۔ عمرو بن معدی کرب کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و توش کے آدمی تھے اس لئے متحیر ہو کر کہا "اللہ اس کا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے"۔ مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وبا کے واقعہ میں ابو عبیدہ نے ان پر اعتراض کیا آپ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہیں تو کس قدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ "ہاں قضائے الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں"۔

قوت تقریر

مختلف موقعوں میں جو خطبے انہوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے ان کے زور تقریر و برجستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

خطبے

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے

اللّٰھم انی غلیظ فلیّنی اللّٰھم انی ضعیف فقونی الا وان العرب جمل انف وقد اعطیت خطامہ الا وانی حاملہ علی المحجۃ

"اے خدا! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر۔ میں کمزور ہوں مجھ کو قوت دے (قوم سے خطاب کر کے) ہاں! عرب والے سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا"۔

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب انہوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے بلا لئے گئے تھے اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زور تقریر کا یہ اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر تمام مجمع میں آگ لگ گئی۔ دمشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم اور ہر ملت کے لوگ جمع تھے عیسائیوں کا لاٹ بشپ تک شریک تھا۔ اس کے ساتھ مختلف مذاہب اور مختلف قوم کے لوگ شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینا تھی۔ غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے۔ فوج کے سامنے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کا عذر کرنا تھا۔ ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک ان کی تقریر کے جملہ جملہ فقرے لوگوں کی زبان پر رہے۔ فقہاء نے اس سے فقہی مسائل استنباط کئے اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں۔ تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام کیا۔

۲۳ ہجری میں جب حج کیا اور یہ ان کا اخیر حج تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مر جائیں گے تو میں طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام منا میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کی خبر ہوئی تو برافروختہ ہو کر فرمایا کہ آج رات میں اسی مضمون پر خطبہ دوں گا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ امیر المومنین حج کے مجمع میں ہر قسم کے برے بھلے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے یہ تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح طور پر نہ سمجھیں گے۔ بہتر ہو گا کہ مدینہ چل کر خواص کے مجمع میں تقریر کیجئے گا۔ وہ لوگ ہر بات کا پہلو سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے تسلیم کی آخر ذوالحجہ

میں مدینہ آئے جمعہ کے دن لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آ آ کر جمع ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ مشتاق تھے اس لئے منبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انہوں نے پہلے نہیں کہی؟ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا۔ یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ، انصار کے خیالات، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر کہنا ممکن نہ تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔

جن مجلسوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں ان میں ان کے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا مترجم ساتھ کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔

اگرچہ وہ اکثر برمحل اور برجستہ خطبے دیتے تھے۔ لیکن معرکے کے جو خطبے ہوتے تھے ان میں تیار ہو کر جاتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہو کر گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھے تو دفعتاً رک گئے اور زبان نے یاری نہ دی اس وقت یہ عذر کیا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم خطبہ کے لئے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔

نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبے دے سکتے تھے، لیکن ان کا خود بیان ہے کہ "نکاح کا خطبہ مجھ سے ٹھیک نہیں آتا"۔ عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معذوری کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ نکاح کا خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی بخلاف اس کے عام خطبوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو تمام قوم اس کو محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے خود بخود اس کی تقریر میں بلندی اور زور آجاتا ہے

۱؎ صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ

لیکن ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

پولیٹیکل خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے جن مضامین پر ہوئے خطبے رہتے تھے وہ چند مواعظ، فتوحات و قدرتی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی پر پیچ معاملات خطبے میں ادا نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے پولیٹیکل خطبے دیئے اس کے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن ان سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

خطبے کے لئے جو باتیں درکار ہیں

خطبہ کے لئے نفس تقریر کے علاوہ اور عارضی باتیں جو درکار ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سب موجود تھیں آواز بلند اور پر رعب تھی قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر کھڑے ہیں۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں۔ ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اني لا اجد هذا المال يصلحه الا خلال ثلث ان يوخذ بالحق ويعطى بالحق ويمنع من الباطل ولست ادع احدا يظلم احدا حتى اضع خده على الارض واضع قدمي على خده الآخر حتى يذعن للحق يا ايها الناس ان اللّٰه عظم حقه فوق حق خلقه فقال فيما عظم من حقه ولا يامركم ان تتخذوا الملائكة والنبيين اربابا الا واني لم ابعثكم امراء ولا جبارين ولكن بعثتكم ائمة الهدى يهتدى بكم ولا تغلقوا الابواب دونهم فياكل قويهم ضعيفهم۔ (کتاب الخراج صفحہ ۶۶)

ایک اور خطبے کے چند جملے یہ ہیں۔

فانتم مستخلفون في الارض قاهرون لاهلها قد نصر اللّٰه دينكم فلا تصبح امة مخالفة لدينكم الا امتان امة مستعبدة للاسلام واهله يجزون لكم عليهم المؤنة ولكم المنفعة وامة ينتظرون وقائع اللّٰه وسطواته في كل يوم وليلة قد ملا اللّٰه قلوبهم

وعثاً۔ فقد دنت بہم جنود اللّٰہ ونزلت بساحتہم مع رفاہۃ العیش واستقامۃ الطول وتتابع البعوث وسد الثغور۔ الخ (از الۃ الخفاء مأخذ از طبری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ ان فقروں پر ہوتا تھا۔

اللّٰہم لا تدعنی فی غمرۃ ولا تاخذنی علی غرۃ ولا تجعلنی مع الغافلین۔

(منتخب الکنز خطبات عمر)

قوت تحریر

قوت تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی ان کو کمال تھا ان کے فرامین خطوط، دستور العمل، توقیعات، ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں جو جس مضمون پر ہے اس باب میں بے نظیر ہے چنانچہ ہم بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری کے نام

اما بعد فان للناس نفرۃ عن سلطانہم فاعوذ باللّٰہ ان تدرکنی و ایاک عمیاء مجہولۃ وضغائن محمولۃ واہواء متبعۃ کن من مال اللّٰہ علی حذر وخوف الفساق واجعلہم یداً یداً ورجلاً رجلاً واذا کانت بین القوم ثائرۃ یا لفلان فانما تلک نجوی الشیطان فاضربہم بالسیف حتی یفیئوا الی امر اللّٰہ ویکون دعوتہم الی الاسلام۔

ایک اور تحریر ابو موسیٰ کے نام

اما بعد فان القوۃ فی العمل ان لا تؤخروا عمل الیوم لغد فانکم اذا فعلتم ذلک تدارکت علیکم الاعمال فلم تدروا ایہا تاخذون فاضعتم۔

عمرو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انہوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاکید لکھی، عمرو بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریریں مقریزی نے تاریخ مصر میں بعینہ نقل کی ہیں جن کے لکھنے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے بعض فقرے ایسے ہیں۔

وقد عجبت انہ لم یمنعک من ذلک الا ان عمالک عمال السوء اتخذوک کہفاً وعندی باذن اللّٰہ دواء فیہ شفاء انی عجبت من کثرۃ کتبی الیک فی ابطائک بالخراج وکتابک الی بثنیات الطرق عما اسألک فیہ فلا تجزع ابا عبد اللّٰہ ان یؤخذ منک الحق وتعطاہ فان النہر یخرج الدر۔

مذاق شاعری

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ ان کی شہرت عام طور پر کم ہے اس میں شبہ نہیں کہ شعر بہت کم کہتے تھے۔ لیکن شعر شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا۔ عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں۔ اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا۔ علامہ ابن رشیق قیروانی کتاب العمدہ میں جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

وکان من انقد اهل زمانه للشعر وانفذهم فيه معرفة۔

"یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے"۔

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے۔

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر۔ (کتاب مذکور جزء ثانی صفحہ [illegible] مطبوعہ مصر)

"یعنی عمر بن خطاب اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے جاننے والے تھے"۔

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے حَکم قرار دیا اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شعر فہم نہ تھے اس لئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی تھی وہ بدزبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے ورنہ شعر کے دقائق ان سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔

(دیکھو کتاب البیان والتبیین جاحظ صفحہ [illegible] و کتاب العمدہ باب تعرض الشعراء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زہیر کو اشعر الشعراء کہتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کیا تھا۔ امراء القیس، زہیر، نابغہ ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعر الشعراء کہتے تھے اہل عرب اور

علمائے ادب سے آج تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تین یا چار میں محدود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی۔ [illegible] تھی۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ شاعر الشعراء کے اشعار پڑھو۔ عبداللہ بن عباس نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیر۔ انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے

زہیر کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ہے۔

لانہ لا یتبع حوشی الکلام ولا یعاظل من المنطق ولا یقول الا ما یعرف ولا یمتدح الرجل الا بما یکون فیہ۔

''وہ (زہیر) نامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا نہ اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور اسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس شخص میں ہوتے ہیں''۔

پھر سند کے طور پر یہ شعر پڑھے

اذا ابتدرت قیس بن عیلان غایۃ
من المجد من یسبق الیہا یسود
ولو کان حمد یخلد الناس لم تمت
ولکن حمد الناس لیس بمخلد

ناقدین فن نے زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اس کے وہ جاہلیت کا شاعر ہے اس کی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ وہ مبالغہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔

زہیر کا ممدوح ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا۔ اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ پایا۔ اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنی مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو انہوں نے

ارشاد کی تعمیل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا، اس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، لیکن تم نے جو دیا وہ فنا ہو گیا۔ اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے۔ زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیئے تھے کیا ہوئے اس نے کہا بوسیدہ ہو گئے فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کئے تھے زمانہ اس کو بوسیدہ نہ کر سکا۔

نابغہ کی تعریف

زہیر کے بعد نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے۔ امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھ کر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا کہ یہ شعر کس کا ہے؟

الا سليمان اذا قال الاله له   قم في البرية فاحددها عن الفند

لوگوں نے کہا کہ نابغہ کا! پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

اتيتك عاريا خلقا ثيابي   على خوف تظن بي الظنونا

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

حلفت فلم اترك لنفسك ريبة   وليس وراء الله للمرء مذهب

لوگوں نے کہا نابغہ کے فرمایا کہ یہ شخص اشعر العرب ہے۔ (بہ نقل تذکرۂ نابغہ)

امراء القیس کی نسبت ان کی رائے

باایں ہمہ وہ امراء القیس کی استادی اور ایجاد مضامین کے معترف تھے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سابقهم خسف لهم عين الشعر وافتقر عن معان عور اصح بصر۔

"وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا۔ اسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا"۔

اخیر فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراء القیس یمنی تھا اور اہل یمن فصاحت و بلاغت میں

درجہ پائے جاتے تھے چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے (کتاب العمدہ باب المنافع من الشعر)

شعر کا ذوق

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے بار بار مزے لے لے کر پڑھتے تھے ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے یہ شعر آیا۔

وان الحق مقطعہ ثلاث　　　یمین او نفار او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے۔ ایک اور دفعہ عبدۃ ابن الطبیب کا لامیہ کا قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر پھڑک اٹھے اور دہرایا۔

والمرء ساع لامر لیس یدرکه　　　والعیش شح واشفاق وتامیل

مصرع بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابو قیس بن الاسلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرا کئے (یہ تمام روایتیں جاحظ نے کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر میں نقل کی ہیں)

حفظ اشعار

اگرچہ ان کو مہمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے سینکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے۔ علمائے ادب کا بیان ہے کہ ان کے حفظ کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے تھے۔

جس قسم کے وہ اشعار پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خودداری، آزادی، شرافت نفس، حمیت، عبرت کے مضامین ہوتے تھے۔ اسی بناء پر امرائے فوج اور عمال اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

مر من قبلك بتعلم الشعر فانه یدل علی معالی الاخلاق
وصواب الرای ومعرفة الانساب

"لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور
صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں"۔

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اس کے یہ الفاظ تھے۔

علموا اولادکم العوم والفروسیۃ ورووھم ما سار من المثل

وحسن من الشعر (ازالۃ الخفاء صفحہ ۳)

"اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھاؤ، اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔"

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیئے۔ اس وقت تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رسم کو مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی۔ اسی طرح ہجو گوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حطیئہ کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم میں قید کیا۔

لطیفہ

بنو العجلان، ایک نہایت معزز قبیلہ تھا ایک شاعر نے ان کی ہجو لکھی، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آکر شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ اشعار کیا ہیں؟ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اذا اللّٰہ عادی اھل لوم ورقۃ   فعادی بنی العجلان رھط ابن مقبل

"خدا اگر کمینے آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو ہجو نہیں بلکہ بددعا ہے کہ خدا اس کو قبول نہ کرے انہوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

قبیلتھم لا یغدرون بذمۃ   ولا یظلمون الناس حبۃ خردل

"یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا، اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا۔ چونکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

ولا یردون الماء الا عشیۃ   اذا صدر الوراد عن کل منھل

"یہ لوگ چشمے یا کنوئیں پر صرف رات کے وقت جاتے ہیں۔ جب اور لوگ واپس آ چکتے ہیں۔"

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بے کس اور کمزور لوگ ایسا کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ ہجو سے بچا تو اچھی بات ہے انہوں نے آخر یہ شعر پڑھا۔

وما سمی العجلان الا لقولهم خذ القعب احلب ایها العبد واعجل

”اس کا نام عجلان اسی لئے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے کہ اے غلام پیالہ لے اور جلدی سے دوہو۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ **سید القوم خادمھم**

علم الانساب

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندانی علم تھا جو کئی پشتوں سے چلا آتا تھا ان کے باپ خطاب مشہور نساب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے خطاب کے باپ نفیل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ ان واقعات کو ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔

لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔

عبرانی زبان سے واقفیت

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی نسخوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے اس لئے یہودی پڑھ کر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ۔

کان اھل الکتاب یقرءون التوراۃ بالعبرانیۃ ویفسرونھا بالعربیۃ لاھل الاسلام

یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں

کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

مسند دارمی میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ توریت کا ایک نسخہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا (مسند دارمی مطبوعہ کانپور صفحہ ۶۲)۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر شریک ہوتے تھے ان کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہمراہیوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔

(کنزالعمال بروایت بیہقی مطبوعہ دکن صفحہ ۳۳۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فطری اور ذاتی قابلیت نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے اسی قدر ان کے بیہودہ افسانوں اور قصوں سے نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نہایت سختی سے ان کو پڑھنے سے روکا۔

ذہانت و طباعی

ان کی ذہانت و طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ ان کے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر بھی کمالات میں اوپر گذر چکا ہے۔ لیکن ان کی معمولی بات بھی ذہانت و طباعی سے خالی نہیں۔ چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب انہوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو بڑی عمر کے بھی نہیں مدبر نہ تھے کہ لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ صاحب رعب و داب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو واپس بلالیا اور کہا کہ میں خود بھی یہ بات جانتا تھا۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس آیت کا مصداق بنائے [illegible]

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ
ونجعلھم الوارثین۔

"ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں احسان کریں اور ان کو
امام اور زمین کا وارث بنائیں"۔

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا کرتے سنا کہ "خدایا! مجھ کو فتنوں سے بچانا"۔ فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تم کو مال اور اولاد نہ دے (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۵) (قرآن مجید میں خدا نے مال و اولاد کو فتنہ کہا ہے)

انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر ہے یا نہیں؟ اس کی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعی سفر ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں، خدا خود فرماتا ہے۔

ھو الذی یسیرکم فی البر والبحر

"وہ (خدا) وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے"۔

حکیمانہ مقولے

اس کے حکیمانہ مقولے آج تک ادب کی کتابوں میں اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ میں کثرت سے نقل کئے ہیں نمونے کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

من کتم سرہ کان الخیار فی یدہ۔

"جو شخص راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے"۔

اتقوا من تبغضہ قلوبکم اعقل الناس اعذرھم للناس۔

"جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کر سکتا ہو"۔

لاتؤخر عمل یومک الی غدک۔

"آج کا کام کل پر اٹھا نہ رکھو"۔

ابت الدراھم الا ان یخرج اعناقھا۔

"کرتا ہے وہ سر اونچا کئے بغیر نہیں رہتے"۔

ما ادبر شئی فاقبل۔ "جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی"۔

من لم یعرف الشر یقع فیہ۔
"جو شخص برائی سے بالکل واقف نہیں وہ برائی میں مبتلا ہو گا"۔

ما سألنی رجل الا تبین لی فی عقلہ۔
جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے۔

واعظ سے خطاب کر کے

لا یلھک الناس عن نفسک فاقلل من الدنیا تعش حرا فترک الخطیئۃ اسھل من معالجۃ التوبۃ۔
"لوگوں کی فکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ دنیا تھوڑی سی لو تو آزادانہ بسر کر سکتے ہو توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے"۔

لی علی کل خائن امینان الماء والطین
"ہر خیانت پر میرے دو امین متعین ہیں آب و گل"۔

لو ان الصبر والشکر بعیران ما بالیت علی ایھما رکبت۔
"اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اس کی نہ پرواہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں"۔

رحم اللہ امرأ اھدی الی عیوبی۔
"خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تحفہ میں بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)"۔

صائب الرائے ہونا

رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عمر کسی معاملہ میں کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ ٹھیک وہی ہوتا تھا جو ان کا گمان ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری باب اسلام عمر)

اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی۔ کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اور آج تک قائم ہیں۔

اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے قائم ہوا

نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے ترہی کی رائے دی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور در حقیقت ایک مذہبی فرض کے لئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ موثر اور موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔

اسیران بدر

اسیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو رائے دی تھی وحی اسی۔ کے موافق آئی۔

ازواج مطہرات کا پردہ

آنحضرت کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر بڑا خیال ہوا۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا انتظار فرماتے تھے چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔

منافقوں پر نماز جنازہ

عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا۔ جب مرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلق نبوی کی بناء پر اسکے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شدت سے منع کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اتری ولا تصل علی احد منہم یہ تمام واقعات صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدون مرتب ہوا، ورنہ حضرت ابوبکر اور زید بن ثابت (کاتب وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز سے

مخالفت کی تھی۔

تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں صحابہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض موقعوں کی عموماً عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی رائیں صائب نکلیں، ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق الرائے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت دونوں صاحبوں نے امہات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخالفت کی۔ ان تمام واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں۔

قابلیت خلافت کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کون اس بار گراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لئے گئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص رائیں دیں اور وہ سب صحیح نکلیں۔

نکتہ سنجی اور غور رسی

وہ ہر کام میں غور و فکر کو دخل دیتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے ان کا قول تھا کہ۔

لا یعجبنکم من الرجال طنطنة

"یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سن کر دھوکے میں نہ آؤ"۔

اکثر کہا کرتے تھے

لا تنظروا الی صلوٰۃ امرء ولا صیامہ ولکن انظروا الی عقلہ وصدقہ۔

"یعنی آدمی کی نماز روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھو"۔

[1] ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے کسی کی تعریف کی۔ فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اس نے کہا نہیں، پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے۔ اس نے کہا نہیں، فرمایا کہ تو تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں۔ احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہ تھی کہ اکثر محدثین جس کو زاہد و پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبدالکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الروایہ شخص تھا اس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا۔

غرنی بکثرۃ جلوسہ فی المسجد۔ (تہذیب صفحہ ۳۰۰)

یعنی اس بات نے مجھ کو دھوکہ دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا۔

مذہبی زندگی

دن کو مہمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی۔ اس لئے عبادت کا وقت رات کو مقرر تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلیں پڑھتے تھے۔ جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے **وامر اھلک بالصلوۃ** (موطا امام مالک) فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ سو آیتیں پڑھتے تھے عبداللہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورۂ یوسف اور حج پڑھی تھی۔ یونس، کہف، ہود کا پڑھنا بھی ان سے مروی ہے۔

نماز

نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اس کو تمام رات عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام آپڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اس کو انجام دیتے۔ ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو چکی تھیں ایک شخص صف سے نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوجیں تیار کرتا ہوں۔

۱۔ یہ قول ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۱۶۴ میں نقل کیا ہے۔

۲۔ ازالۃ الخفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ

ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے نماز میں بحرین کے جزیہ کا حساب کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے کہ آیت فلیعبدوا رب ھذا البیت آئی تو کعبہ کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ نماز میں اس قدر اشارہ کرنا جائز ہے۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے تھے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اس وقت پہنچے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت ہے؟ انہوں نے کہا میں بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

روزہ

ابوبکر بن شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے لیکن انہی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم الدہر ہے تو اس کے مارنے کے لئے دُرّہ اٹھایا۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۳)

حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰ! تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سرابر پر چھوٹ جائیں، نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب۔ ابو موسیٰ نے کہا نہیں بخدا! اس پر ہرگز راضی نہیں۔ ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ امید ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں"۔ مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے

ظلوم لنفسی غیر انی مسلم   اصلی الصلوۃ کلھا واصوم

بے تعصبی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد متقشف نہ تھے

۱؎ ازالۃ الخفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲

ہمارے علماء عیسائیوں کا برتن وغیرہ استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت امام بخاریؒ اور امام شافعیؒ نے روایت کی ہے۔ توضأ من ماء جيء به من عند نصرانية۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۸۵ جلد دوم)۔ بغوی کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے۔ توضأ عمر من ماء في جر نصرانية۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۸)۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا۔ بغوی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پنیر بناتے ہیں اس کو کھاؤ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۸)۔ عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آج مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گذر ہو تو عیسائی اس کو تین دن مہمان رکھیں۔ آج غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے چنانچہ ان کی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ (عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے) کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ شاہ صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں "و از آں جملہ تعہد با احسان اہل ذمہ تاکید فرمود" (ازالۃ الخفاء صفحہ ۷۷ جلد دوم)

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے افسروں کو عیسائیوں کے ملازم رکھنے سے بھی منع کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کیا ہے۔ لیکن جس شخص نے محب طبری کی کتاب (ریاض النضرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ ان روایتوں کا کیا پایہ ہے ان بزرگوں کو بھی یہ خبر نہیں کہ عراق، مصر، شام کا دفتر مال گذاری جس قدر تھا سریانی و قبطی وغیرہ میں تھا اور اس وجہ سے دفتر مال گذاری کے تمام عمال مجوسی یا عیسائی تھے ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو فن فرائض کی ترتیب اور درستی کے لئے ایک رومی عیسائی کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا، چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بتصریح لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ابعث الينا برومي يقيم لنا حساب فرائضنا

"ہمارے پاس ایک رومی کو بھیج دو جو فرائض کے حساب کو درست کر دے"۔

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ معظمہ نہیں جا سکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں غیر مذہب والے بے تکلف مکہ معظمہ جاتے تھے۔ اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں (کتاب الخراج صفحہ ۴۸-۴۹)۔ آج کل یورپ والے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ اسلام کی تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے

علمی صحبتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی۔ ایک دن صحابہ بدر (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے شریک تھے) مجلس میں جمع تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ کی طرف خطاب کر کے کہا **اذا جآء نصر اللّٰہ والفتح** سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائیں۔ بعض بالکل چپ رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا "اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محمد جب فتح و نصرت آچکی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے اس لئے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ۔ بے شک خدا بڑا قبول کرنے والا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا خیال ہے (صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ صفحہ [illegible])

ایک اور دن صحابہ کا مجمع تھا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے معنی پوچھے **ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ**۔ لوگوں نے کہا کہ خدا زیادہ جانتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس نا حاصل جواب پر غصہ آیا۔ اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہئے کہ نہیں معلوم ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے۔ لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے چونکہ جواب ناتمام

تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباس اس سے زیادہ نہ بتا سکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجا لائے اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے۔

ایک دفعہ مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا دینی چاہی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ کے سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے پھر یہ آیت **لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا** "یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھایا پیا ان پر الزام نہیں"۔ استدلال میں پیش کر کے کہا کہ "میں بدر، خندق، حدیبیہ اور دیگر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں اس لئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ یہ معافی پچھلے زمانہ کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی اور ان کے اور اعمال اگر صالح ہیں تو ان پر کچھ الزام نہیں اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے۔

(ازالۃ الخفاء بحوالہ روایت حاکم صفحہ [illegible])

یآیھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ۔

ارباب صحبت

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور اس میں وہ عمر اور سنوں کی تمیز نہیں کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ [illegible] زہری سے روایت کی ہے کہ کان مجلس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ القراء ازالۃ الخفاء صفحہ [illegible])

وکان القراء اصحاب مجلس عمر و مشاورتہ کھولا کانوا او شبانا۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل مجلس اور اہل مشورت علماء تھے خواہ بوڑھے ہوں یا جوان"۔

فقہ کا نہایت بڑا حصہ جو منقح ہوا اور فقہ عمری کہلاتا ہے انہی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر ان سے قریب والے وعلی ھذا لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص ان لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم تھا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں۔ یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں آخر ایسا ہوا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ہمت دلائی اور فرمایا کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہے۔ عبداللہ بن عباس اس وقت بالکل نوجوان تھے ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خصوصیت کی وجہ بتائی۔ اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبداللہ بن مسعود کی بھی قدر کرتے تھے۔ ۲۱ ہجری میں جب ان کو کوفہ کا قاضی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ "میں ان کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے کہ ان کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں" بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعود نے حل کیا تو ان کی شان میں فرمایا۔

کُنیفٌ ملیٔ علماً۔

"یعنی ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے"۔

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خورد بزرگ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی بن کعب کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے۔ ابیؓ نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا۔ زید بن ثابت کو اکثر اپنی غیر حاضری میں اپنا جانشین مقرر کر کے جاتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور ان کو عطا کرتے تھے۔ امیر

۱۔ فتح الباری شرح بخاری تفسیر اذا جاء نصر اللہ۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ذکر عبداللہ بن مسعود صفحہ ۱۳

لابن الجوزی) اسی طرح ابوعبیدہ، سلمان فارسی، عمیر، سعد، ابو موسیٰ اشعری، سالم، ابوہریرہ، عمران بن حصین وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بناء پر مقرر کیے گئے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ ابوذر غفاری جنگ بدر میں شریک نہ تھے لیکن ان کا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا۔ اس بناء پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

اہل کمال کی قدر دانی

ان کی قدر دانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہب جمحی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اس بناء پر مقرر کیا کہ وہ پرخطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ (فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶)۔ خارجہ بن حذافہ اور عثمان بن ابی العاص کے وظیفے اس بناء پر مقرر کیے کہ خارجہ بہادر اور عثمان نہایت فیاض تھے۔ (کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۳)

لطیفہ

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جس قدر شعراء ہیں ان کے وہ اشعار جو انھوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں لکھوا کر بھیجو۔ مغیرہ نے پہلے اغلب عجلی کو بلوایا۔ اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے یہ شعر پڑھا۔

لقد طلبت ھیناً موجوداً   ارجزاً ترید ام قصیداً

"تم نے بہت آسان چیز کی فرمائش کی ہے بولو قصیدہ چاہیے یا رجز؟"

پھر لبید کو بلا کر یہ حکم سنایا وہ سورۂ بقرہ لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجھ کو یہ عنایت کیا ہے۔ مغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا کہ "اغلب کے روزینے میں گھٹا کر لبید کے روزینے میں پانسو کا اضافہ کر دو۔" اغلب نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا یہ صلہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اس کی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔ اس زمانے میں جس قدر اہل کمال تھے مثلاً شعراء، خطباء، نسّاب، پہلوان، بہادر سب ان کے دربار میں آئے اور ان کی قدر دانی سے مشکور ہوئے۔ اس زمانہ کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو

ابوبکر صدیق کے زمانے میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا تھا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا جس طرف نکل جاتا زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے۔ مرثیے پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا تھا اور سب کو رلاتا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے چند اشعار پڑھے اخیر کے شعر یہ تھے

وکنا کند مانی جذیمة حقبة
من الدهر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کأنی ومالکا
لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

"ایک مدت تک ہم دونوں جذیمہ (ایک بادشاہ کا نام ہے) کے ندیموں کے مثل رہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا اب یہ جدا نہ ہوں گے' پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے تو گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا۔ اس نے کہا امیر المومنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو میں ہرگز اس کا ماتم نہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ "متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی"۔

اسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ خنسا تھی اس کا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آج تک خنساء کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کعبہ میں روتے اور پیٹتے دیکھا۔ پاس جا کر تعزیت کی۔ اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تنخواہیں اس کے نام جاری کر دیں۔

پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طلیحہ بن خالد اور عمرو معدی کرب تمام عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو اپنے دربار میں پایا تھا۔ اور قادسیہ کے معرکے میں جب ان کو بھیجا تو سعد بن وقاص کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں۔ عمرو معدی کرب پہلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر

بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمرو معدی کرب نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقروں میں جواب دیئے اس کو اہل عرب نے عموماً اور مسعودی نے مروج الذہب میں بتفصیل لکھا ہے۔ چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اخوک وربما خانک

یعنی تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دے جاتا ہے۔"

پھر تیروں کی نسبت پوچھا تو کہا۔

رسل المنایا تخطی و تصیب

یعنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی بھٹک جاتے ہیں۔

ڈھال کی نسبت کہا۔

علیہ تدور الدوائر

اسی طرح ایک ایک ہتھیار کی نسبت عجیب عجیب بلیغ فقرے استعمال کئے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل قوموں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لئے

متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس و لحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب سے مقدم آنحضرت کے تعلقات کے قرب و بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنو ہاشم سے شروع کیا۔ اور ان میں بھی حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہم کے ناموں سے ابتداء کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت میں قریب بنو امیہ تھے پھر بنو عبد الشمس، بنو نوفل، پھر عبد العزیٰ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجے میں پڑتا ہے چنانچہ اسی ترتیب سے سب

کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں۔ رسول اللہ کی ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں۔ اور سب سے بڑی مقدار تھی۔ اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

(یہ تمام تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و ۲۵ میں ہے)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابوبکر کی ابتدائے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر رنجی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر بیعت نہیں کی۔ چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو چکا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلوانا چاہا۔ لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی پسند نہیں کرتے تھے۔

(بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں کراھیۃ لمحضر عمر)

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکے میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے گئے۔ اتحاد و یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطن سے تھیں ان کے عقد میں دے دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اخلاق، عادات، تواضع و سادگی

ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں مؤرخین نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان

قائم کیا ہے اور در حقیقت ان کی عظمت و شان کے تاج پر مساوات کا طرّہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کا ایک رخ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں، قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے، خالد و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باز پرس ہے، سعد بن ابی وقاص، ابو موسیٰ اشعری، عمرو بن العاص کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے، سر پر پھٹا سا عمامہ ہے، پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں۔ پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لئے جا رہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی بھرنا ہے یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں اس لئے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی جھپکی سی آ گئی ہے۔ (آفتاب ہدایت صفحہ [illegible])

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا، جہاں ٹھہرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سائے میں پڑ رہے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جس کے [illegible] آتے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ احنف بن قیس رؤسائے عرب کے ساتھ ان سے ملنے کو گئے۔ دیکھا تو دامن چڑھائے ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر کہا "آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے"۔ ایک شخص نے کہا کہ امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔ فرمایا **أی عبد أعبد منی** "مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے"۔

موطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کو سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضائے حاجت کے لئے سواری سے اترے۔ اسلم ان کا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہو کر آئے تو (بھول کر یا کسی مصلحت سے) اسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ ادھر اہل شام بھی استقبال کو آ رہے تھے جو آتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں حیرت سے سرگوشیاں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کی نگاہیں عجمی شان و شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں)۔

ایک خطبہ میں کہا کہ "صاحبو! ایک زمانے میں میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر لا دیا کرتا تھا۔ اس کے صلے میں وہ مجھ کو چھوہارے دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا"۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کیا بات تھی۔ فرمایا کہ میری

طبیعت میں ذرا غرور آگیا تھا یہ اس کی سزا تھی۔

۲۳ھ ہجری میں سفر حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ان کی سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا۔ سعید بن المسیب جو ایک مشہور تابعی گذرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے ان کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ابطح میں پہنچے تو کنکریاں سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اے خدا! میری عمر اب زیادہ ہو گئی ہے۔ اب قویٰ کمزور ہو گئے۔ اب مجھ کو دنیا سے اٹھا لے۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۳)

زندہ دلی

اگرچہ خلافت کے افکار نے ان کو خشک مزاج بنا دیا تھا۔ لیکن یہ ان کی طبعی حالت نہ تھی کبھی کبھی موقع ملتا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔ محدث ابن الجوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے ایک طرف سے گانے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیر اپنے ہم سنوں کے ساتھ چہل کرتے تھے اور حنظل کے دانے اچھالتے چلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اس قدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائیں۔ لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فرمائش کی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیال سے رکے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباح نے گانا شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سنتے رہے۔ جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں ایک سوار گاتا جاتا تھا۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ اس کو منع نہیں کرتے فرمایا کہ گانا شتر سواروں کا زاد راہ ہے۔ خوات بن جبیر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ ابو عبیدہ اور عبدالرحمٰن بن عوف بھی ہمرکاب تھے۔ لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بہتر ہے کہ اپنے اشعار گائیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۸۶)

---

۱ سیرۃ العمرین، صفحہ ۲۰۲۔ ۲ ازالۃ الخفاء، صفحہ ۱۸۶۔

مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قہر مجسم تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اس کا اثر نہیں گیا۔

غزوۂ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے اس لئے اگر ابو البختری یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابو حذیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگذر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے۔ واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کا مزہ چکھاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی یہ گستاخی ناگوار گزری، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا، ابو حفص (حضرت عمر کی کنیت تھی) دیکھتے ہو۔ عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ سے باہر ہو گئے اور کہا کہ "اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں"۔ حذیفہ بڑے رتبے کے صحابی تھے، اور یہ جملہ اتفاقیہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

حاطب بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے اور غزوۂ بدر میں شریک رہے تھے انہوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی۔ یہ راز کھل گیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برافروختہ ہو کر آنحضرت کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا ہے مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن الخطاب تجھ کو کیا معلوم ہے، خدا نے شاید اہل بدر سے کہہ دیا ہو کہ تم جو چاہو کرو۔ میں سب معاف کر دوں گا۔ ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخانہ کہا "عدل اختیار کر"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے سے بیتاب ہو گئے اور چاہا کہ اس کو قتل کر دیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔

ان واقعات سے تم کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی، اور کافر تو کافر خود مسلمان کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا۔ لیکن اسلام کی برکت اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اختلاط اور خلافت کی مہمات نے ان کو رفتہ رفتہ نرم اور حلیم بنا دیا۔ یہاں تک کہ خلافت کے زمانے میں وہ کافروں کے ساتھ بھی رحمدلی اور لطف سے برتاؤ کرتے

تھے آج مسلمان ان سے صحبت نہیں کرتے

زن و اولاد کے ساتھ محبت

ان کی خانگی زندگی کے حالات گو معلوم نہیں قرائن سے اس قدر ثابت ہے کہ ازواج و اولاد سے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ ان کو بالکل شغف نہ تھا اس کی وجہ زیادہ یہ تھی کہ اہل عرب عورتوں کی جس قدر عزت کرنی چاہیئے تھی نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری باب اللباس میں خود ان کا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے جب قرآن نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں۔ تاہم ہم ان کو معاملات میں بالکل دخل نہیں دینے دیتے تھے اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو سخت سست کہا۔ انہوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ انہوں نے کہا اب تمہارا یہ رتبہ پہنچا۔ وہ بولیں کہ تمہاری بیٹی بھی رسول اللہ سے برابر کی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ کی ایک بیوی جمیلہ تھیں ان کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے تھے عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے کہ حضرت عمر نے کسی وجہ سے ان کو طلاق دے دی۔ یہ حضرت ابوبکر کا زمانہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] ایک دن اتفاق سے قبا کی طرف جا نکلے عاصم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت عمر نے ان کو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور ساتھ لے جانا چاہا۔ عاصم کی نانی کو خبر ہوئی وہ آ کر مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے میں اپنے پاس رکھوں گی۔ جھگڑے نے طول کھینچا اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں فریادی آئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف فیصلہ کیا اور اس سے وہ مجبور ہو گئے یہ واقعہ [illegible]۔ تاہم کچھ شبہ نہیں کہ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا جیسا کہ اور بزرگوں کا تھا۔ اولاد اور خاندان سے بھی ان کو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی۔ چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور اکثر کہا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ جب ان کی خدمت میں آیا تو فرمائش کی کہ زید کا مرثیہ کہو۔ مجھ کو تمہارے جیسا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔

مسکن

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔ مکہ سے ہجرت کی تو عوالی میں مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آ کر رہے یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمۃ کے بیچ میں واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچ کر ان کا قرضہ ادا کیا جائے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خریدا اور قیمت سے قرض ادا کیا گیا۔ اس لئے یہ مکان مدت تک دار القضاء کے نام سے مشہور رہا۔

(دیکھو خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۸ و حاشیہ موطا امام محمد صفحہ ۳۷۲)

وسائل معاش تجارت

معاش کا اصل ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیذان کی لاعلمی کا انہوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جاگیریں عطا کیں۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔

جاگیر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں جو زمین آئی اس کا نام ثمغ تھا اور وہ نہایت پر حاصل زمین تھی۔ مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں قلمبند کرائے تھے۔ یہود بنی حارثہ سے بھی ان کو ایک زمین ہاتھ آئی۔ اور اس کا نام بھی ثمغ تھا۔ لیکن انہوں نے یہ دونوں زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دیں (خلاصۃ الوفاء لفظ ثمغ)۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں' یہ زمین نہ بیچی جائے گی' نہ ہبہ کی جائے گی' نہ وراثت میں منتقل ہوگی' جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ فقراء' ذوالقربیٰ' غلام' مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

مشاہرہ

خلافت کے چند برس بعد انہوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ھ ہجری میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اوائل حال زراعت بھی کی تھی۔ لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دے دیتے تھے۔ تخم خود مہیا کرتے تھے۔ اور کبھی شریک کے ذمے ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب المزارعۃ میں یہ واقعہ بتصریح موجود ہے۔

غذا

غذا نہایت سادہ تھی۔ معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی۔ لیکن آٹا اکثر چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جو کا التزام کر لیا تھا کبھی کبھی متعدد چیزیں دسترخوان پر ہوتی تھیں۔ گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، سرکہ، مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس

لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی۔ جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی عربی وضع کی ہوتی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے

اس لئے انہیں کپڑوں کو دھو کر سوکھنے ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ رہبانیت کو پسند کرتے تھے۔ اس باب میں ان کی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ اس صورت سے ان سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا۔ اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان مو اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو نہ پراگندہ ہو کر رہنا چاہیے نہ کہ پٹیاں جمائی جائیں۔ حاصل یہ کہ نہ بیہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے، نہ رہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا کہ رنگ گندم گوں، قد نہایت لمبا، یہاں تک کہ سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو ان کا قد سب سے لمبا تھا۔ رخسارے کم گوشت، گھنی داڑھی، مونچھیں بڑی بڑی، سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صیغہ میں جو جو نئی باتیں ایجاد کیں ان کو مورخین نے یکجا لکھا ہے اور ان کو اولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول تا آخر ترتیب وار۔[1]

① بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔
② عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔
③ تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔
④ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔
⑤ فوجی دفتر ترتیب دیا۔
⑥ والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
⑦ دفتر مال قائم کیا۔
⑧ پیمائش جاری کی۔

---

[1] اس فہرست کی اکثر اولیات کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری اور تاریخ طبری میں یکجا مذکور ہیں۔ باقی متفرق موقعوں سے یکجا کی گئی ہیں۔

(۹) مردم شماری کرائی۔

(۱۰) نہریں کھدوائیں۔

(۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ، بصرہ، جیزہ، فسطاط، موصل۔

(۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔

(۳) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی اس کی تفصیل صیغۂ محاصل میں گزر چکی ہے۔

(۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کئے۔

(۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

(۱۶) جیل خانہ قائم کیا۔

(۱۷) درہ کا استعمال کیا۔

(۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

(۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

(۲۰) جا بجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

(۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔

(۲۲) پرچہ نویس مقرر کئے۔

(۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات بنوائے

(۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے

(۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

(۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جا سکتے۔

(۲۷) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے

(۲۸) مکاتب قائم کئے

(۲۹) معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کئے

(۳۰) حضرت ابو بکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔

(۳۱) قیاس کا اصول قائم کیا۔

(۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

(۳۳) فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔ چنانچہ موطا امام مالک میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

(۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔

(۳۵) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔

(۳۶) شراب کی حد کے لئے اسی کوڑے مقرر کئے

(۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۸) بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔

(۴۱) مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا ان کی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔

(۴۲) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

(۴۴) ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

(۴۵) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔ حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔

ان کے سوا اور بہت سی ان کی اولیات ہیں جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

ازواج و اولاد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کئے۔ پہلا نکاح عثمان بن مظعون کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعون سابقین صحابہ میں تھے یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا چودھواں نمبر تھا۔ ۲ ہجری میں وفات پائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ان کی لاش کو بوسے دیتے تھے اور بے اختیار روتے تھے۔ عثمانؓ کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ زینب مسلمان ہو کر مکہ معظمہ میں مریں۔ حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ انہی کے بطن سے ہیں۔

دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارک سلمہؓ کی بہن تھیں۔ چونکہ یہ اسلام نہیں لائی تھیں۔ اور مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد ۶ ہجری میں ان کو طلاق دے دی۔

تیسری بیوی ملیکۃ بنت جرول الخزاعی تھیں۔ ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام نہیں لائیں اور اسی وجہ سے ۶ ہجری میں ان کو بھی طلاق دے دی۔ عبداللہ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے اور ملیکہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں۔ مدینہ میں آکر انصار میں قرابت پیدا کی۔ یعنی ۷ ہجری میں عاصم بن ثابت بن ابی الافلح جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے۔ ان کی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جمیلہ نام رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی۔

حضرت ام کلثوم سے نکاح کرنا

اخیر عمر میں ان کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں۔ جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی۔ جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے سبب سے انکار کیا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور فرمایا اور ۱۷ ہجری میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح

جواب: حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتبر مؤرخوں نے بتفصیل لکھا ہے۔ علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں، ابن قتیبہ نے معارف میں، ابن اثیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں۔ ایک اور ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھیں، لیکن ان دونوں میں مؤرخوں نے صاف تفریق کی ہے۔ علامہ طبری، ابن حبان، ابن قتیبہ کی تصنیفات کو قریب ہزار برس گذری ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر تاریخی واقعات کے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ چند وہ خاص عبارتیں اس موقع پر نقل ہوتی ہیں۔ ثقات ابن حبان ذکر خلافت عمر واقعات سنہ ۱۷ ہجری میں ہے۔ ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وھی من فاطمۃ ودخل بھا فی شھر ذی القعدۃ۔ معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمر میں ہے۔ فاطمہ و زید وامھما ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسد الغابہ فی احوال الصحابہ ابن الاثیر میں بیان حضرت ام کلثوم کا عنوان لکھا ہے۔ تفصیل کے ساتھ ان کی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی جا بجا تصریح کی ہے کہ ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آ گیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ عورتوں کو چادریں تقسیم کیں۔ ایک بچ رہی اس کی نسبت ان کو تردد تھا کہ کس کو دی جائے۔ ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا یا امیر المومنین اعطھا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی عندک یعنون ام کلثوم۔ (صحیح بخاری باب حمل النساء القرب) اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں خاندان نبوت سے تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بیویاں تھیں۔ یعنی ام حکیم بنت حارث بن ہشام المخزومی، ملیکہ، جمیلہ، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چچیری بہن تھیں۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابوبکرؓ کے فرزند عبداللہ سے ہوا تھا اور چونکہ نہایت خوبصورت تھیں۔ عبداللہ ان کو بہت چاہتے تھے۔ عبداللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہ نے نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر ہے

فآلیت لا تنفک عینی حزینۃ   علیک ولا ینفک جلدی اغبرا

"میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تجھ پر غمگین رہے گی اور بدن خاک آلود رہے گا"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۲ ہجری میں ان سے نکاح کیا۔ دعوت ولیمہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفصہ اس

لیے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہیں۔ ان کا نکاح پہلے خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو وہ ۳ ہجری میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے ان سے یہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۴۵ ہجری میں ۶۳ برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔

اولادِ ذکور

اولادِ ذکور کے یہ نام ہیں۔ عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابو شحمہ، عبدالرحمٰن، زید، مجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کے مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس سے ان کے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت بیباک تھے۔ ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا۔ عین اسی حالت میں انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ "یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے"۔ چنانچہ اس کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے ان کو مسموم آلہ سے زخمی کیا۔ اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ دے دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ سے آ کر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ آپ آمادہ ہو جائیے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

سالم بن عبداللہ

حضرت عبداللہ کے بیٹے سالم فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے ان سات فقہاء میں

سے منسوب ہیں۔ جن پر حدیث وفقہ کا مدار تھا۔ اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے نام یہ ہیں۔ خارجہ بن زید' عروہ بن الزبیر' سلیمان بن یسار' عبید اللہ بن عبد اللہ' سعید بن المسیب' قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں' اور محدثین ان سلسلے کو زنجیر زر کہتے ہیں۔ یعنی اول وہ حدیث جس کی روایت کے سلسلے میں امام مالک' نافع' عبد اللہ بن عمر ہوں' دوسری وہ حدیث جس کے سلسلے میں زہری' سالم اور عبد اللہ بن عمر واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبد اللہ اور ان کے بیٹے سالم اور نافع غلام تھے۔

عبید اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بیٹے عبید اللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور تھے۔

عاصم

تیسرے بیٹے عاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم وفاضل تھے ۷۰ ہجری میں جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے ان کا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے

فلیت المنایا کن خلفن عاصماً   فعشنا جمیعاً او ذھبن بنا معاً

"کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی کہ ہم سب ساتھ رہتے یا لے جاتی تو سب کو لے جاتی"۔

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے اور خوب شعر کہتے تھے چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ شاعر کو مجبوراً کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے لیکن عاصم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز ان ہی کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتوں' پڑپوتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ

لیس من اللّٰہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

"خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی انتہائی حد ہے۔ دنیا میں اور جس قدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں ان کی مفصل سوانح عمریاں پہلے سے موجود ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی ہمپایہ گزرا ہے یا نہیں؟

[illegible] فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص فی الواقع کسی ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاتح تھا۔ لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیکن کشور ستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے پاکیزہ اخلاق نہ تھے۔ بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے۔ بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے

اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اور مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو تو صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی........ مسیح بھی تھے سلیمان بھی تھے اور نوشیرواں بھی امام ابو حنیفہ بھی تھے اور ابراہیم ادہم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشور ستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا میں جس قدر حکمران گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہہ میں کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعۃً فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے میں ابوالفضل اور ٹوڈرمل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شان برامکہ کے دم سے تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف اپنے دست و بازو کا سہارا تھا۔ خالد کی عجیب غریب معرکہ

لڑائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا کہ فتح و ظفر کی کلید انہیں کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کون سا پرزہ نکل گیا ہے۔ سعد بن وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو ایسا وہم ہو چلا تھا۔ وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پابند نہ تھے وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا۔ اور جہاں چاہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سرے سے نکال دیا۔ اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لئے۔

دنیا میں کوئی حکمران ایسا نہیں گزرا جس کو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل و انصاف کی حد سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نوشیرواں کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے وہاں مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے۔ اور اس لئے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی۔ قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے نا آشنا تھی۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گذرا تھا۔ ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع انتظام محاصل صیغۂ عدالت، فوجداری اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغۂ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا۔

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جس کی معاشرت یہ ہو کہ قمیض میں دس دس پیوند لگے ہوں۔ کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو فرش خاک پر پڑا رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا چلا جاتا ہو۔ اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو۔ در و دربار، نقیب و چاؤش، حشم و خدم کے نام سے آشنا نہ ہو۔ اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رخ

گرتا ہو تو زمین دہل جاتی ہے۔ سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے جب ان کا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروق کے سفر شام میں سواری کے اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش میں آ گیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو۔ صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آئے گا۔ زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین اور ائمہ فن پیدا ہوئے مثلاً امام ابوحنیفہ، شافعی، بخاری، غزالی، رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس باب میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس پر کچھ اضافہ نہ ہو سکا۔ مسئلہ قضا و قدر، تعظیم شعائر اللہ، حیثیت نبوت، احکام شریعت کا عقلی و نقلی ہونا، احادیث کا درجہ اعتبار، آحاد کی قابلیت احتجاج، احکام خمس و غنیمت، یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں۔ اور ائمہ فن نے ان کے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے۔ لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا۔ تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے ان کی پیروی کی یا انحراف کیا تو اعلانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے بعد اور کون شخص ان کا ہم پایہ مل سکتا ہے؟ زہد و قناعت، تواضع و انکساری، خاکساری و سادگی، راستی و حق پرستی، صبر و رضا، شکر و توکل یہ اوصاف ان میں جس کمال کے ساتھ پائے تھے کیا لقمان، ابراہیم بن ادہم، ابوبکر شبلی، معروف کرخی میں اس سے بڑھ کر پائے جا سکتے ہیں؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

سینۂ فاروق اعظم را بمنزلہ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد و در ہر درے صاحب کمالے نشستہ و در یک درے مثلاً سکندر ذوالقرنین با آں ہمہ سلیقہ ملک گیری و جہانبانی و جمع جیوش و درہم لشکر اعداء و در درے دیگر نوشیرواں با آں ہمہ رفق و لین و رعیت پروری و داد گستری (اگرچہ ذکر

نوشیرواں در بحث فضائل حضرت فاروقؓ سوء ادب است) و در دیگر امام ابو حنیفہؒ یا امام مالکؒ بایستے بہمہ قیام بہ علم فتویٰ و احکام و در دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ بہاؤالدین و در دیگر محدثے بوزن ابوہریرہ و ابن عمر و در دیگرے ملیے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطار و سوال کرد اگر این خانہ استعداد دارد از ہر یکے حاجت خود را ز صاحب فن او درخواست می نماید و کامیاب می گردد۔

۵ جولائی ۱۸۹۸

شبلی نعمانی
مقام کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تربیت السالک

مجدد ملت حکیم الامت محی السنۃ،

حضرت شاہ محمد اشرف علی تھانوی مدظلہ

قیمت کامل سیٹ

ناشر

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی ۱

عورتوں اور بچوں کے لئے بہترین اسلامی کتابیں

اسوۂ رسول اکرم ﷺ	حدیث کی مستند کتب سے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق جامع ہدایات۔ ڈاکٹر عبدالحی		
اسوۂ صحابیات اور سیر الصحابیات	صحابی خواتین کے حالات	مولانا عبدالسلام ندوی	
تاریخ اسلام مکمل	سوال و جواب کی صورت میں مکمل سیرت طیبہ	مولانا محمد میاں	
تعلیم الاسلام	اردو میں سوال و جواب کی صورت میں عقائد اور احکام اسلام	مفتی کفایت اللہ	
تعلیم الاسلام	انگریزی میں سوال و جواب کی صورت میں عقائد اور احکام اسلام بزبان انگریزی	" "	
رسول عربی ﷺ	آسان زبان میں سیرت رسول اکرم ﷺ		
رحمت عالم ﷺ	آسان زبان میں مستند سیرت طیبہ	مولانا سید سلیمان ندوی	
بیماریوں کا گھریلو علاج	ہر قسم کی بیماریوں کے گھریلو علاج و نسخے	حکیم محمد افضل	
اسلام کا نظام عفت و عصمت	اپنے موضوع پر منفرد کتاب	مولانا ظفیر الدین	
آداب زندگی	چار چھوٹی کتابوں کا مجموعہ حقوق و معاشرت پر	مولانا اشرف علی	
بہشتی زیور	مکمل گیارہ حصے مسائل اسلام اور گھریلو امور کی جامع مشہور کتاب	" "	
بہشتی زیور	انگریزی ترجمہ مسائل اسلام اور گھریلو امور کی جامع کتاب بزبان انگریزی	"	
تحفۃ العروس	ازدواجی زندگی کے موضوع پر آسان زبان میں جامع کتاب	محمود مہدی	
آسان نماز	مکمل نماز مسنون طریقے اور چالیس مسنون دعائیں	مولانا محمد عاشق الٰہی	
شرعی پردہ	پردہ اور حجاب پر عمدہ کتاب	" "	
مسلم خواتین کیلئے بیس سبق	عورتوں کے لئے تعلیم اسلام	" "	
مسلمان بیوی	مرد کے حقوق عورت پر	مولانا محمد ادریس انصاری	
مسلمان خاوند	عورت کے حقوق مرد پر	" "	
میاں بیوی کے حقوق	عورتوں کے وہ حقوق جو مرد ادا نہیں کرتے	مفتی عبدالغنی	
نیک بیبیاں	چار مشہور صحابی خواتین کے حالات	مولانا احمد حسین	
خواتین کیلئے شرعی احکام	عورتوں سے متعلق جملہ مسائل اور حقوق	ڈاکٹر [illegible]	
تنبیہ الغافلین	[illegible]		
آنحضرت ﷺ کے ۳۰۰ معجزات	آنحضرت ﷺ کے ۳۰۰ معجزات مستند حوالوں سے		
قصص الانبیاء	انبیاء علیہم السلام کے قصوں پر مشتمل جامع کتاب	مولانا [illegible]	
حکایات صحابہ	صحابہ کرام کی کہانیاں حکایات اور واقعات	مولانا زکریا صاحب	
گناہ بے لذت	ایسے گناہوں کی تفصیل جن میں کوئی لذت نہیں [illegible]		

[illegible]

دار الاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۱۳۷۶۸